# با محمد ﷺ ہوشیار

حاجی محمد منیر قریشی

نذیر سنز پبلشرز

۴۰ - اے ، اردو بازار ◎ لاہور

# با محمدؐ ہوشیار
صلی اللہ علیہ وسلم

از

حاجی محمد منیر قریشی

ناشر

نذیر سنز پبلشرز

۴۰-اے اردو بازار

لاہور - پاکستان

| | |
|---|---|
| نام کتاب | بامحمد ہوشیار |
| طابع | نذیر سنز پبلشرز |
| | ۴۰۔اے اُردو بازار۔ لاہور |
| کتابت | دبستانِ کتابت، نوشہرہ ورکاں |
| قیمت | ۷.۵۰ |

# آنحضرتؐ کی بشریت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو جب صوم وصال سے منع فرمایا تو یہ تصریح کی:-

| | |
|---|---|
| اِنّی لَسۡتُ مِثۡلَکُمۡ اِنّی اُطۡعَمُ وَ اُسۡقٰی | میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے۔ |
| اَیُّکُمۡ مِثۡلِیۡ اِنّی اَبِیۡتُ یُطۡعِمُنِیۡ رَبِّیۡ وَ یَسۡقِیۡنِیۡ۔ | تم میں میرا مثل کون ہے؟ میں رات گزارتا ہوں۔ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ |
| لَسۡتُ کَھَیۡئَتِکُمۡ اِنّی اَبِیۡتُ لِیۡ مُطۡعِمٌ یُّطۡعِمُنِیۡ۔ | میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میں رات گزارتا ہوں ایک کھلانے پلانے والا مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ |

# فہرست

# سببِ تالیف

ہر قوم اپنے بانی اور ہادی کی تعلیمات کی تشریح و توضیح کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ اور جب ہادیٔ کُل اور باعثِ تکوینِ عالم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت پر روشنی ڈالی جائے تو آپ کی تعظیم و تکریم میں جس قدر بھی مبالغہ کیا جائے کم ہے ۔ اُمتِ محمدیہ کے لئے ایک طے شدہ امر ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی ذات و صفات کو صرف اسی کے ساتھ مخصوص رکھنے کے بعد جو کچھ بھی تعریف و توصیف ہے وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات ہی کو سزاوار ہے اور جس اُمتی کو آپ کی یہ تعریف دُکھتی ہے اس کے ایمان میں یقیناً نقص ہے اور وہ تعلق بالرسول میں اُلجھاؤ کا شکار ہے ۔ چاہے بظاہر وہ کتنا ہی عالم ہو اور اس نے دنیا بھر کی کتابوں کو ازبر کر رکھا ہو لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایسی کوئی بھی شخصیت پرِکاہ کے

برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔ دین صرف کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ؎

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

موجودہ تحریر کا موجب بعض لوگوں کا وہ رویّہ اور سلوک ہے جو وہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ پاک کے بارے میں روا رکھتے ہیں خصوصیت کے ساتھ ایسی آیات، ایسے اقوال اور ایسے شواہد تلاش کر کے اہتمام کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں جن سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عام آدمی کی سطح پر دکھانا مقصود ہوتا ہے اور یہ تاثّر دینا مراد ہوتا ہے کہ آپ صرف خدا کا پیغام پہنچانے والے رسول، پیغامبر یا ہرکارے ہیں اور بس۔ الفاظ کے سطحی معانی پر زور دیا جاتا ہے اور رُوح سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر بفرضِ محال لغوی معنوں میں پیغامبر ہی مانا جائے تو یہ بھی تو دیکھنا لازمی ہوگا کہ کس جلیل القدر ہستی کا پیغامبر! جو خالقِ کائنات ذرّے ذرّے کا مالک، دِلوں کے بھید جاننے والا، حیّ وقیوم رحمٰن ورحیم ہے۔ جیسی بھیجنے والی عظیم الشان ہستی، لازوال ہستی، ویسی ہی پیغام لانے والی باکمال ہستی! لہٰذا وہ کوئی عام طرح کا انسان نہیں ہو سکتا وہ عبد نہیں ہے عبدہٗ ہے اس کی شان میں ادنیٰ گستاخی سے اعمال کے ضائع ہو جانے کی وعید آئی ہے۔ لیکن خیال رہے وہ نرا پیغامبر نہیں ہے کیوں کہ پیغامبر کے لائے ہوتے پیغام میں پیغامبر کا نام اس کی تعریف یا اس کا ذکر نہیں ہوتا جب کہ یہاں صورت حال ہی دوسری

ہے۔ سارا پیغام پیغامبر ہی کی زندگی کا پرتو ہے اسی میں لکھا ہے کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (ہم نے تیرے ذکر کو بلند کر دیا) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ. (اور عنقریب تیرا رب تجھے اتنا زیادہ عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا) اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (ہم نے تم کو کوثر "دو بہت زیادہ برکات و فراوانی والی چیزیں" عطا کیں)

عزیزو! اگر خدا کے اس ابدی پیغام ہی کا بہ نظرِ ایمان مطالعہ کرو گے تو آپ پر یہ راز منکشف ہوگا کہ یہ ایک نرالا پیغام ہے اور اس کا لانے والا بھی نرالا پیغامبر ہے۔ یہ پیغام اسی محور کے گرد گھومتا ہے۔ لہٰذا پیغام کو اسی کے حوالہ سے سمجھا جائے گا اور اس کی عملی ہدایات کی روشنی میں اس پر عمل بھی کیا جائے گا۔ ان دیں حالات جو شخص بھی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام یا قرآنِ حکیم کے مابین فرق یا بُعد ثابت کرتا ہے راہ ہدایت سے بھٹکا ہوا ہے ؎

خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

حضرت سعد بن ہشام بن عامر نے ایک بار اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کے بارے میں دریافت فرمایا، آپ نے جواب میں فرمایا: کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ حضرت سعد نے کہا ہاں پڑھتا ہوں۔ اس پر حضرت صدیقہ کائنات نے فرمایا "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا" آپ کے اس بیان کا یہ مقصد ہے کہ قرآنِ حکیم میں جس قدر محاسن

اور محامد اخلاق مذکور ہیں وہ سب آپ کی ذاتِ اقدس میں پائے جاتے تھے۔ الغرض آپ مجسم قرآن ہیں۔ قارئین کرام! واضح ہوا کہ ہم قرآن کو اور قرآن کے لانے والے کو جدا جدا نہیں مان سکتے۔

تاریخ قرآن (از مولانا عبدالقیوم ندوی) میں مندرج ہے:-

انکارِ حدیث کے سلسلے میں سب سے مقدم یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب کیا تھا؟ اگر ان کی حیثیت خاکم بدہن محض ایک "پوسٹ مین" کی تھی کہ خط پہنچا دینے کے بعد اس کا کام ختم ہوگیا اور مکتوب الیہ کی اور کسی چیز سے اسے کوئی بحث نہیں تو بے شک حدیث و سنت قابل توجہ نہیں ہے۔ لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے۔ رسول اللہ کی حیثیت خالی پیامبر کی نہیں تھی کہ قرآن کی آیات پہنچا دینے کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ بلکہ وہ اس پیام کے شارح، مرسل الیہ، امت کے معلم اور طبیب بھی تھے اور اس طرح عقائد، عبادات معاملات اخلاق غرضیکہ تمام دینی و دنیوی ضروریات میں اس کے ہادی اور رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا "اسی خدا نے ان پڑھوں میں انہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات کی (نہ صرف) تلاوت کرتا ہے بلکہ پاک بھی کرتا ہے اور کتاب و حکمت بھی سکھاتا ہے" اور وہ یہ کام اپنے عمل سے سکھاتا ہے اور مجسم قرآن بن کر جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا کہ ہر قوم اپنے ہادی کی تعریف میں

رطب اللسان ہوتی ہے لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے۔ اپنے آپ کو حضور کا امتی کہنے والے ہی حضور کے متعلق ان خیالات کی اشاعت کرتے ہیں جن سے آپ کی شان اور مرتبہ کا انحطاط مراد ہوتا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں اسلامی عالمی میلے کے سلسلے میں ایک مجلس مذاکرہ کا انعقاد رائل البرٹ ہال لندن میں ہوا جس میں پاکستان کے ایک معروف عالم کا مقالہ پڑھا گیا۔ اس میں سرکار دو عالم کے متعلق کھل کر یہ کہا گیا کہ

"نہ ہی وہ نامعلوم کے علم کا دعوی رکھتے تھے"

غور کا مقام ہے کہ اغیار کو اسلام کا وہ کونسا تصور دینے کی کوشش کی جارہی ہے جس میں بانی اسلام کے علم کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ خود قرآن سے فتویٰ لے لیتے تو معاملہ حل ہو جاتا قرآن کہتا ہے کہ ہم نے "نامعلوم" کا علم دیا۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ — انسان کو نامعلوم کا علم سکھایا (انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ایک قول کے مطابق حضور نبی کریم ہیں۔ معالم (خازن)

- وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ

(مقرب) لوگ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر وہ جتنا وہ چاہے (انبیا ورسل کو غیب پر مطلع فرمانا ان کی نبوت کی دلیل ہوتی ہے)

بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔

وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ — مجھے اللہ کی جانب ان چیزوں کا علم دیا گیا جو تمھیں معلوم نہیں۔

عزیزو! نبی کے معنے ہی "خبر دینے والا" ہیں کیا آپ نامعلوم کا علم نہ رکھنے والے کو نبی کہہ سکتے ہیں؟ اور خصوصیت سے جو انبیاء کا سردار ہو؟ اللہ تعالیٰ قوموں میں اپنے رسول بھیجتا ہے تو ان کو معجزوں سے مسلح کر کے بھیجتا ہے۔ تاکہ جب اچانک معترض سوال کر بیٹھیں تو وہ فوراً جواب دے سکیں۔ کیا آپ نے واقعہ معراج کے بعد کفار کے اعتراضات پر مسجد اقصیٰ کی منزلوں اور اس کے آثار کی تفصیل بیان نہیں فرمائی؟ معترض کے لیے یہ غیب تھا اور آپ کا آنکھوں دیکھا حال۔ فی زمانہ جب کہ اقوام عالم اسلام میں دلچسپی لے رہی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام انسان کے روپ میں پیش کرنا نہایت ہی خطرناک مہم ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کافر قومیں قرآن حکیم اور دیگر دینی کتابیں نہایت اعلیٰ طباعت کے ساتھ شائع کر رہی ہیں ان میں تفسیر، قرآت، حدیث، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور تصوف سب ہی موضوع شامل ہیں۔ ان کا معیار اتنا اعلیٰ ہوتا ہے کہ خود مسلمان اتنے پائے کی تصانیف شائع نہیں کر سکتے۔ حالانکہ وہ لوگ شعائر اسلام کے سخت خلاف ہیں لیکن خدا تعالیٰ ان کے ہاتھوں سے تجارتی مقاصد کے لئے ہی سہی یہ کام کروا رہا ہے۔ شارع علیہ السلام نے خود اس بات کی خبر دی ہے۔ جو آج پوری ہو رہی ہے۔

| | |
|---|---|
| ان اللہ لیؤید الاسلام برجال ما ھم من اھلہ۔ | بے شک اللہ تعالیٰ اسلام کی تائید ایسے لوگوں سے کرائیگا جو اس کے ماننے والوں |

ہیں سے نہ ہوں گے۔

حال ہی میں امریکا کے ایک چوٹی کے ماہر تاریخ دان اور مصنف مائیکل ہارٹ نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے "دو تاریخ عالم کی ایک سو شخصیات" ان میں سے سب سے پہلا مقام اس نے حضور سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں کوئی مذہبی آدمی نہیں ہوں۔ میں نے صرف اس معیار کو سامنے رکھا ہے کہ وہ کون سی ہستی ہے جس نے تاریخ عالم کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے اور کاروانِ زندگی کے پیچھے لازوال اور ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں اور میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ہستی بانی اسلام ہی کی ہستی ہے۔

اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو کہنے اور سمجھنے والوں کے لئے مقام عبرت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی تعریف میں غیروں نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ دیا ہے اور ہم ہیں ہی وہ بدبخت ہیں کہ سرور کائنات کی جائز تعریف و توصیف کے سلسلے میں بخیلی سے کام لیتے ہیں جو بعض اوقات آپ کی واضح تنقیص کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

خالقِ کائنات کی خوشی اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و اکرام میں ہے۔ اور اس کی ناراضگی آپ کی کسر شان اور تنقیص میں ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس سلسلے میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیئے کہ کہیں اس کا شمار ان تیرہ بختوں میں نہ ہو جائے جو آنحضرت کی خوبیوں اور محاسن کو کم کر کے دکھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ خود حضور

کا ثنا خواں ہے اور آپ پر درود بھیجتا ہے تو ایک مسلمان آپ کی تعریف و توصیف بیان کرنے سے کیسے پیچھے رہ سکتا ہے۔ حضور کی محبت ہی ایمان کا معیار اور ترازو ہے۔ آپ سے جتنی زیادہ محبت ہو گی ایمان اتنا مضبوط ہو گا۔

سو عزیزو! اس ناکارہ کم علم اور علم دین کے ایک حقیر طالب علم نے گستاخ اور بے ادب نام کے مسلمان کہلوانے والوں کی طرف سے شروع کی گئی مہم کو دیکھتے ہوتے اس تصنیف کی صورت میں یہ جسارت کی ہے اور اس کی دعا ہے کہ یہ کوشش اور جدوجہد بارگاہ صمدیت (جلّ جلالہٗ) اور بارگاہ محمدیت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں شرفِ قبولیت سے نوازی جائے۔ آمین

# قابلِ توجہ

یہ تصنیف راقم کے جذبات واحساسات کی عکاس ہے اور اس کی اشاعت کا مقصد اپنے ہم خیال اور ہم عقیدہ اصحاب کے لیئے تسلی اور اطمینانِ قلب کا حصول ہے۔ نہ اس سے بحث کا دروازہ کھولنا مراد ہے نہ ہی کسی حلقہ پر اعتراض یا اس کے مخصوص ذہنی رجحان کی بیخ کنی کرنے کا ارادہ ہے۔ کیوں کہ ایک بے مایہ متلاشی علم کا یہ منصب نہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اسے اسی رنگ میں لیا جائے گا۔ اس تحریر میں اپنے پاس سے کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا۔ ان حقائق کو اجاگر کیا گیا ہے جو اوپر بیان کردہ مقصد کو پورا کرنے میں معاون نظر آتے ہیں۔ اگر اس کوشش سے کسی کو فائدہ پہنچ جائے اور صراطِ مستقیم پر آجائے تو زہے نصیب!

مخلص۔ (حاجی) محمد منیر قریشی

# مقامِ مسرت

حکومتِ پاکستان کا یہ فیصلہ قابلِ تعریف ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ، اہلِ بیت ، ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی شان میں گستاخی قانون کی نظر میں قابلِ گرفت قرار دی گئی ہے ۔ افضل تو یہی ہے کہ کلمہ گو اصحاب خود ہی ادب اور احتیاط کا راستہ اختیار کریں اور خدا اور رسول کی رضامندی حاصل کریں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# با خدا دیوانہ باش و
# با محمدؐ ہوشیار!

انسان کی فطرت میں اپنی ذات کو اہمیت دینے اور بلندیاں حاصل کرنے کا مادہ موجود ہے اور تو اور بعض انسان خدائی کا دعویٰ بھی کر بیٹھتے ہیں۔ اِن میں سے ایک طبقہ اقتدار اعلیٰ سے بدمست ہو کر خدا بن جاتا ہے۔ فرعون، ہامان، شداد اس کی مثالیں ہیں اور ان کا عبرت ناک انجام بھی ہمارے سامنے ہے۔ دوسرا طبقہ ادنیٰ ماحول سے تعلق رکھتا ہے اور خدائی کا دعویدار ہوتا ہے۔ ایسے لوگ عوام کی تضحیک کا نشانہ بن کر یا دماغی توازن سے محروم ہو کر اپنے انجام سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ایسے مصنوعی خداؤں کو کچھ نہ کچھ ڈھیل دی جاتی ہے اور خدا کی طرف سے اِن پر فوری گرفت نہیں ہوتی۔ حقوق الٰہی میں انسان کی دست اندازی اور پتھر کے بتوں نے اس کی وحدانیت کی مخالفت ایسے اعمال ہیں کہ خدا اپنے حقوق کی حفاظت و احترام کے لیے انسان کا خون نہیں بہاتا ہے۔ وقت پر ایسے لوگ انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن اپنی مخلوق کے

حقوق کی پامالی کو خدا برداشت نہیں کرتا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں حقوق العباد کو حقوق اللہ سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ خاص طور پر اپنے بندے (عبدہٗ) کے حقوق خدا کو بہت عزیز ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ کا درجہ خدا کے بعد اعلیٰ ترین ہے ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت کے بارے میں کچھ سوچنے اور اس کا اظہار کرنے میں حد درجہ احتیاط لازم ہے بڑے بڑے اولیا اللہ اور جید علماء نے حضور کو نہایت عزت و تکریم سے یاد کیا ہے ان کے پیش نظر پروردگار عالم کا وہ فرمان ہوتا ہے۔ جس میں اُس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب بیان تعلیم کئے ہیں قرآن حکیم میں فرمادیا کہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (خبردار) اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز سے اونچا مت کرو ورنہ تمہارے تمام نیک اعمال اکارت جائیں گے اور تمھیں خبر بھی نہ ہونے پائے گی۔

آپ کو پتہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس حکم کو کس رنگ میں لیا، ایک صحابی تھے ثابت بن قیس جن کی قدرتی طور پر آواز اونچی تھی وہ ڈر کے مارے گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے مبادا دربارِ رسول میں کہیں آواز بلند نہ ہو جاتے اور مسلمانوں کی جماعت سے نام ہی خارج ہو جاتے لیکن حضور علیہ السلام کی

نظر کرم سب امتیوں پر ہوتی ہے اور آپ امتیوں کی نیتوں سے آگاہ ہیں۔
آپ نے اس صحابی کو بلوا کر اس کا ڈر دور کیا کہ اس صورت میں قدرتی مجبوری ہے کہ تمھاری آواز بلند ہے خدا تمھاری نیتوں کو دیکھتا ہے اور بلا وجہ پکڑ نہیں کرتا۔ ایک محدّث تھے حافظ عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) وہ جب حدیث پڑھتے تو سننے والوں اور دیگر حاضرین مجلس کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ آیت شریف لَا تَرْفَعُوْٓا ...
کا مطلب یہ بھی ہے کہ حدیث شریف کی قرأت کے وقت سکوت اختیار کیا جائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حیات شریف میں آپ کے قول مبارک کے سنتے وقت واجب تھا۔ اللہ اللہ کیسے مودّب لوگ تھے۔

جو اصحاب یہ کہتے ہیں کہ یہ ادب حضور کی ظاہری زندگی میں ضروری تھا اور پردہ فرمانے کے بعد ضروری نہیں ان کا خیال یکسر غلط ہے۔ تمام سلف صالحین اور مشہور ائمۂ دین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ کے متعلق قرآنی احکام اور آداب قیامت تک اسی طرح واجب عمل ہیں۔ جیسے کہ آپ کی اس دارِ فانی میں موجودگی کے وقت تھے۔

حضرت سہیل تستری فرماتے ہیں جو شخص ہر حال میں حضور نبی کریم کو اپنا ولی اور مالک نہ جانے اور اپنے نفس کو اپنی ہی ملک سمجھے وہ سنت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ (حکایات صحابہ۔ حافظ محمد ذکریا) آخر امت اور امت

کے رکھوالے کے درمیان ہمہ وقتی تعلق ہونا چاہیئے ۔ بصورت دیگر آپ آنحضرت کو "شاہد" یعنی امت پر گواہ کیسے کہہ سکیں گے ؟

حضور علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد کی بات ہے کہ جب کبھی مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ وغیرہ ٹھونکی جاتی تو اس کی آواز سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فوراً کہلا بھجتیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو اذیت نہ دو ۔ اسی بات کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے گھر کے دونوں کواڑ مدینہ منورہ سے باہر مناصع کے مقام پر تیار کروائے ۔ تاکہ ان پر کام کرنے سے اوزاروں کی آواز مسجد نبوی میں نہ جائے اور اس سے حضور کو اذیت نہ پہنچے ۔ (وفاء الوفا)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں ۔ وہ تمام چیزیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے ، ان کی تعظیم و تکریم کرنا ، حرمین شریفین میں آپ کے مشاہد و مساکن کی تعظیم کرنا اور آپ کے منازل اور وہ چیزیں جن کو آپ کے دستِ مبارک یا کسی اور عضو نے چھوا ، یا آپ کے نام مبارک سے پکاری جاتی ہوں ، ان سب کا اکرام کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی تعظیم و تکریم میں شامل ہے ۔ اور صحابہ کرامؓ اس پر عمل کرتے رہے ہیں ۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں ۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر مبارک کے بال کاٹ رہا تھا اور صحابہ کرامؓ گرداگرد حلقہ باندھے تمنا کر رہے تھے کہ حضور کا جو بال مبارک گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں آجائے (صحیح مسلم ۔ باب قربہ .....)

۲- اسی طرح جب آپ وضو فرماتے تھے تو آپؐ کے صحابہؓ پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے اور تبرکاً اٹھا لیتے تھے۔ آپؐ کا پسینہ شیشی میں لے لیا جاتا تھا۔ حضرت انس بن مالک کی وصیت کے مطابق، وہ کافور وصندل جو مُردوں کو لگایا جاتا ہے اور جس میں حضور کا پسینہ ملا ہوا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جسم پر ملا گیا۔ (صحیح بخاری)

۳- حضرت خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی میں حضورؐ کے موئے مبارک تھے۔ وہ ٹوپی کسی جنگ میں گر گئی تو انہوں نے مڑ کر سخت حملہ کیا اور خاصے جانی نقصان کے بعد دوبارہ وہ ٹوپی حاصل کر لی۔ ان کا یقین تھا کہ ان بالوں کی برکت سے انہیں جنگوں میں فتح حاصل ہوتی ہے

۴- حضرت خداش مکیؓ نے آنحضرتؐ سے وہ پیالہ بطورِ تبرک لے لیا جس میں حضورؐ کھانا کھاتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ جب حضرت خداش کے ہاں جاتے تو ان سے وہ پیالہ طلب کرتے۔ اسے آبِ زمزم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے۔ (اصابہ، ترجمہ خداش)

۵- آنحضرت کا اونی جبہ کسروانی جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت اسماء نے لے لیا۔ جو فرماتی ہیں کہ اِس جبہ کو رسول اللہؐ پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے دھو کر بغرضِ شفا بیماروں کو پلاتے ہیں (صحیح مسلم)

۶- حضرت کعبؓ بن زہیر ایمان لائے تو انہوں نے ایک قصیدہ بانت سعاد پڑھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں ڈھانک دیا

حافظ ابنِ حجر نے بیان کیا ہے کہ اس چادر کو خلفاء عیدین میں پہنتے رہے۔

۷۔ حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ منبر منیف میں جو جگہ رسول اللہؐ کے بیٹھنے کی تھی اسے ہاتھ سے مس کیا اور پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر مل لیا۔ (شفا شریف۔ طبقات ابن سعد)

۸۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ ایک صحابی کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ منگوا بھیجا۔ جب آیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز اس سے اپنے چہرے کو ملنے لگے۔ (تاریخ صغیر البخاری)

۹۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد)

۱۰۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ایک چارپائی ہدیہ کے طور پر پیش کی۔ اس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سویا کرتے تھے۔ جب آپ کی وفات شریف ہوئی تو آپ کو اسی چارپائی پر رکھا گیا۔ پھر بعد میں حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو بھی وفات پانے پر اس پر رکھا گیا۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ کے شہید ہونے پر اس پر رکھا گیا۔ لوگ اپنے فوت ہونے والوں کو بطورِ تبرک اسی پر رکھا کرتے تھے۔ بعہدِ بنو امیہ میں یہ چارپائی حضرت عائشہ صدیقہ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے فروخت ہوئی۔ عبد اللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو

چار ہزار درہم میں خرید لیا (زرقانی)

قارئینِ کرام یہ امثلہ سینکڑوں میں سے چند ہیں اور کسی مسلمان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آثارِ شریفہ کے متبرک ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ حضور کے صحابی ان سے عقیدت و محبت کا سلوک کرتے ہیں۔ اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ اولیاء اور علماءِ حق جو آنحضرت ہی کی برکات کے وارث اور امین ہوتے ہیں ان کے آثار شریفہ میں بھی برکت پائی جاتی ہے۔ اس سے انکار کرنا حرمان و بدنصیبی کے سوا اور کیا ہے۔؟

# حاجی محمد منیر قریشی کی دیگر تصانیف

انسانِ کامل — صلی اللہ علیہ وسلم

یارِ کامل — رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیرِ کامل — رحمۃ اللہ علیہ

اسلام اور سائنس — (ایک جائزہ)

قرآنی دعائیں۔

---

حَلُّ المشکلات — (دعائیں ـ)

# گزارشِ احوالِ واقعی

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

جس شخص کے دل میں حلاوتِ ایمان موجود ہے آپ اس سے دریافت کریں کہ آیا وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کو صرف کرنا پسند کرے گا یا کہ موقع بے موقع ایسے حوالہ جات تلاش کر کے بیان کرنا چاہے گا جن سے حضورؐ کی تنقیص نکلتی ہو چاہے وہ ظاہری الفاظ کی رُو سے درست ہی ہوں۔ تو یقین ہے کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان پہلی ہی بات کو پسند کرے گا۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اور شر کا کوئی پہلو نہیں۔ صرف ایک بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ خدا کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اس کے علاوہ اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب اور صفات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ کو شامل سمجھا جائے یہ بات ہم اپنے پاس سے نہیں کہہ رہے۔ خود خالقِ کائنات نے اپنی مخلوق

کے لئے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا واجب قرار دیا ہے کیوں کہ علماء کا فرمان ہے کہ محبت سے عظمت قائم ہوتی ہے اور عظمت سے اس ہستی کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس کسی نے رسول کی اطاعت کی اس نے (در اصل) اللہ کی اطاعت کی۔

خیال رہے کہ اطاعت کی تکمیل حقوق کی ادائیگی سے ہو سکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق، حقوق العباد میں سے اعلیٰ وارفع حقوق ہیں اور ہر کلمہ گو پر ان کی ادائیگی واجب ہے۔ قرآن حکیم میں جو رسول مقبول کے حقوق بیان ہوتے ہیں ان میں سے چند قابل غور ہیں۔

(۱) آپ کو اپنی جان سے بھی عزیز رکھو۔

(۲) آپ جن باتوں کا حکم دیں فوراً بجا لاؤ اور جن سے منع کریں ان سے باز آجاؤ۔

(۳) آپ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔

(۴) آپ سے دبہ پاسِ ادب، اس طرح کھل کر بات نہ کرو۔ جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بات کی جاتی ہے۔

(۵) آپ پر درود و سلام بھیجتے رہو۔ (خفی یا جلی کی کوئی قید نہیں ہے۔)

(۶) آپ کی تعظیم کرو اور آپ کو ایذا نہ دو۔

(۷) آپ کے لائے ہوئے دین کی امداد اور اعانت کرو۔

یہ بجا ہے کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (کہہ دیجئے کہ میں تمہاری مثل ایک انسان ہوں)۔ قرآنِ حکیم ہی کی آیت ہے لیکن مخاصمت اور ضد کے جذبہ سے اس کا تکرار گناہ سے کم نہیں۔ اس عاجز کے تجربہ میں یہ بات آئی ہے کہ ایک شخص اپنی کم علمی کے باعث اور راقم تحریر کو اپنی دانست میں چڑانے کی غرض سے اس کے مکان کے گرد چکر لگاتے ہوتے مندرجہ بالا آیت کی اونچی آواز سے تکرار کرتا تھا۔ راقم صرف اس کے حق میں دعا ہی کرتا تھا کہ خدا تعالےٰ اس کو حق سمجھنے کی توفیق دے۔ اسی طرح ضد کے ساتھ توحید کا ورد رکھنا اور رسالت کا نام نہ لینا بھی مستحسن فعل قرار نہیں پائے گا۔ کئی لوگ اپنے آپ کو موحّد کہلانے پر اصرار کرتے ہیں۔ گھر کا نام توحید منزل اور سڑک کا نام توحید روڈ رکھتے ہیں۔ بظاہر یہ بے ضرر باتیں ہیں۔ لیکن یہ ایک مہم کا حصہ ہیں جس سے رسالت اور ولایت کی اہمیّت کو نظر انداز کرنا مقصود ہوتا ہے۔

خالق کائنات کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انسانوں اور جنوں کی رشد و ہدایت کے لئے بھیجا اور آپ کو افضل البشر کا درجہ دے کر ساری انسانیت کو شرف سے نوازا۔ آپ کا اُدھر خالق سے واصل ہونا اِدھر مخلوق میں شامل ہونا ساری مخلوقات کے لئے نعمتِ عظمےٰ ہے۔ آیاتِ قرآنی اور احادیث میں سے چند کو لے کر اور ان کی روح معانی سے صرف نظر کرتے ہوتے ان کو اُبھارنا اور نبی علیہ السلام کے درجہ اور اختیارات کی تقلیل میں پیش کرنا بے شک آپ کی تکریم و تعظیم کے منافی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں رونق افروز تھے تو منافقوں نے ایک

مسجد بنائی اور آپ سے اس میں قدم رنجہ فرمانے اور نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ لیکن خدا تعالےٰ نے بذریعہ وحی آپ کو مطلع کر دیا کہ منافقین نے یہ مسجد محض مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے بنائی ہے۔ اس میں ہرگز تشریف نہ لے جائیں۔ کیوں کہ نام تو اس کا مسجد ہی ہے لیکن اس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر نہیں رکھی گئی۔ آپ نے دو صحابیوں کو اس کے مسمار کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ مسجد جسے مسجد ضرار کا نام دیا گیا گرا دی گئی۔ اس سے یہ امر ثابت ہوا کہ ہر عمل میں تقویٰ اور نیک نیتی کا ہونا شرطِ اولین ہے۔ بظاہر کسی کام کی شرعی صورت ہی معلوم ہو رہی ہو لیکن اگر اخلاص و صداقت موجود نہ ہو تو بیکار ہے۔ بلکہ موجبِ خسران ہے انسان اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتا ہے لیکن خدا اور رسول کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔

ایک اُمتی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے نبیؐ کی تعریف سن کر بدمزہ ہو جائے۔ جب یہ حدیث شریف موجود ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ میری امت میں اب شرک پھیلنے کا مجھے ڈر نہیں ہے۔ شرک و کفر کی سرحد تو بہت دُور ہے۔ آپ کو کسی نعت میں ایسا مواد نہیں ملے گا جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا قرار دیا گیا ہو۔ نعتوں میں حضور کی صرف ان خصوصیات کا بیان ملے گا جو احادیث سے ثابت ہیں۔ پھر گھبرانے کی کونسی وجہ ہے معترض کو چاہئیے کہ پہلے علمِ دین کے سرمایے کو اپنے ایمان و یقین کی روشنی میں دیکھے۔ خالقِ کائنات نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو محض پیغام لانے والا ہرکارہ قرار نہیں دیا۔ (نقل کفر کفر نہ باشد) بلکہ خود فرمایا ہے

کہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (ہم نے تیرے ذکر کو بلند و بالا کر دیا ہے)۔

پھر حدیثِ قدسی میں ہے: اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیَ: اے رسول جب بھی میرا ذکر ہوگا تیرا بھی ذکر ساتھ ہی ہوگا۔ اگر نعت خواں چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ کے رفعِ ذکر میں ان کا بھی حصّہ شامل ہو تو یہ امر کس طرح موجب اعتراض ہو سکتا ہے؟ امتِ نبی کے ہر فرد کے دل میں حضور کا نعت خواں بننے کی تمنا ہونی چاہیے۔ خصوصاً موجودہ دور میں ریڈیو، ٹی۔وی اور لاؤڈ سپیکروں پر شیطانی آوازیں سوچی سمجھی سکیموں کے تحت بلا محابا بلند کی جارہی ہیں تاکہ ان کے شور میں آثارِ دین سمیت سب کچھ دب کر رہ جائے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ طاغوتی عناصر اپنے مکروہ عزائم میں کامیاب ہو جائیں۔ اور ہم محض تماشا دیکھا کریں۔ نہیں نہیں آج کا اجتہاد یہ ہے کہ ذکرِ جلی کو عام کیا جائے قرأت، نعت اور مواعظ حسنہ عام برپا کئے جائیں ان کے ٹیپ ریکارڈز کی آواز ہر گھر ہر گلی کوچے سے بلند ہونی چاہیے تاکہ ہم اور آپ اپنے کانوں سے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا نظارہ دیکھیں اور خدا کے ذکر کے ساتھ ہی حضور کا ذکر بلند ہوتا اپنے کانوں سے سنیں جو کہ خداوند تعالے کا حکم اور منشا ہے۔

معلوم ہوا کہ نعتوں کے سرمایے میں بزرگوں، اولیا اللہ، علمائے حق اور دردِ دل رکھنے والے عام مسلمانوں کی نعتیں شامل ہیں۔ جن کو پڑھنے اور سننے سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور شیطان دور بھاگتا ہے۔ مولانا روم، مولانا جامی شیخ سعدی۔ امام بوصیری، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا، علامہ اقبال، ظفر علی خاں

ان سب اللہ والوں کا نعتیہ کلام تبلیغ دین کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ عوام الناس کے بعض کلام پر بڑی شدت سے اعتراض وارد کئے جاتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ معترض کی نظر محض الفاظ پر ہوتی ہے معانی اور روح پر نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر نعت کے اس شعر کو لیجئے:۔

خدا جو پکڑے چھڑا لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

محمدؐ جو پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکدا

اس شعر کا صاف ستھرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو خدا تعالیٰ نے شفاعت کا منصب عنایت کیا ہے۔ اور وہ اُمت کی شفاعت کر کے بخشوالیں گے۔ اگلے مصرعے کا مطلب وہی ہے جو کہ

با محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوشیار

کا ہے۔ کہ حضورؐ کے گستاخ کو خدا خود گرفت کرتا ہے اور نہ وہاں شفاعت ہوگی نہ اس کی بخشش ہوگی۔ شفاعت صرف گنہگار اور انبیا کے ماننے والوں اور ادب کرنے والوں کے لئے ہے۔ قیامت کے دن لوگ یکے بعد دیگرے سارے انبیاء علیہم السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے اور وہ سب عذر خواہی کریں گے۔ حتیٰ کہ آخر کار حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آپ فرمائیں گے ہاں مجھے خدا نے شفاعت کا منصب عنایت کیا ہے۔ چونکہ ان سب نے انبیاء علیہم السلام کی طرف ان کی عزت و تکریم ملحوظ رکھتے

ہوتے سفر کیا ہوگا۔ اس لئے وہ موددب قرار پائیں گے اور آخرکار حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی شفاعت کے باعث غضب الٰہی سے خلاصی پائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ "منکرِ شفاعت کے نصیب میں شفاعت نہیں ہوگی" اس کے لئے تو تعلق بالرسول بہت ضروری ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا جو امتی اپنے نبی کا موددب اور پکارنے والا ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھول جائیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| رَسُوْلَ اللّٰہِ یَاخَیْرُالْبَرَایَا | اے مخلوق کے افضل ترین اللہ کے رسول |
| نَوَالَكَ اَبْتَغِیْ یَوْمَ الْقَضَاءِ | مجھے قیامت کے روز آپ کی نظرِ کرم کی ضرورت ہوگی۔ |

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا مسئلہ بڑا ہی نازک مسئلہ ہے۔ جس ہستی کی تعریف خود خداوندِ کریم جل جلالہٗ بیان کرے اس کی تعریف کوئی اور کیا کر سکتا ہے! حقیقی نعت صرف ایسے لوگ ہی کہہ سکتے ہیں کہ جن کے رگ و پے میں حضور کی محبت سرایت کر چکی ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ صرف ایسے ہی فدایانِ رسولؐ کی نعتیں پڑھی جائیں جو آپ کے آداب کی نزاکت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لفظی اور علمی کاوش سے کہی گئی نعت محض لفظوں کا مجموعہ تو ہو سکتی ہے لیکن اس میں حلاوت موجود نہیں ہوگی۔ نعت خواں کا روح کی گہرائیوں سے حضور کا والا و شیدا ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے کلام سے بھی جذبہ ایمان کی پختگی اور والہانہ عشقِ نبی کا اظہار ہوتا ہے۔ سوز و گداز میں ڈوبے ہوتے اشعار دل میں اتر کر محبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کو تسکین

پہنچاتے ہیں۔

راقم کی تحریر کا مقصود و مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام لیواؤں کو سدا اپنے محسن نبیؐ کی تعریف و توصیف ہی سننی واجب ہے۔ اور وہ ایسی تحریروں یا تقریروں سے حذر کریں جن میں کسی بھی پہلو سے آپ کی تنقیص نکلتی ہو۔ کیوں کہ کوئی بھی محب اپنے محبوب کی برائی نہیں سن سکتا۔ اور یہاں تو معاملہ ہی اور ہے اور اس ہستی کا ذکر ہے جسے خدا نے ہر طرح کے عیوب اور نقائص سے پاک اور مبرا بنایا ہے۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ و برکاتہ کے ان شعروں اور حافظ مظہرالدین صاحب کی نعت پر یہ باب ختم کرتا ہوں:

(۱) فَحُزْتَ كُلَّ فَخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرِكٍ
وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحَمِ

پس آپ نے ہر قابلِ فخر فضیلت (یعنی شفاعت، ختم نبوت، مقامِ محمود وغیرہ) اپنے میں بلا شرکتِ غیرے جمع کر لی ہے۔ اور ہر بلند مقام سے بغیر کسی مقابلہ کے منفرد انداز میں گزر گئے ہیں۔

(۲) بُشْرَى لَنَا مَعْشَرَ الْإِسْلَامِ إِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

(اے اہلِ اسلام) ہماری خوش قسمتی ہے کہ خدا کی مہربانی سے ہمیں (حضور کی شریعت کی صورت میں) ایسا سہارا (ستون) مل گیا جو کہ کبھی گرنے والا نہیں۔

(٣١) وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ

اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِيْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

اور جس کو (مقابلہ میں) رسول اللہ کی تائید و نصرت مل جائے اگر اس کا سامنا کچھاروں میں شیروں سے بھی ہو جائے تو وہ اس کے سامنے دم بخود رہ جائیں۔

◎

## نعت شریف

ہم سوئے حشر چلیں گے شہِ ابرار کے ساتھ
قافلہ ہوگا رواں قافلہ سالار کے ساتھ

رہ گئے منزلِ سدرہ پہ پہنچ کر جبریلؑ
چل نہیں سکتا فرشتہ تری رفتار کے ساتھ

بختِ بیدار ہے، یاور ہے مقدر اس کا
جس نے دیکھا ہے انہیں دیدۂ بیدار کے ساتھ

یہ تو طیبہ کی محبت کا اثر ہے ورنہ
کون روتا ہے لپٹ کر در و دیوار کے ساتھ

اے خدا دی ہے اگر نعتِ نبیؐ کی توفیق
حسنِ کردار بھی دے لذّتِ گفتار کے ساتھ

جب کھلے حشر میں گیسوئے شفاعت ان کے
ہم سے عاصی بھی نظر آئیں گے ابرار کے ساتھ

میں یہ کہتا ہوں کہ تھا ان کی نظر کا اعجاز
لوگ کہتے ہیں کہ دیں پھیلا ہے تلوار کے ساتھ

ایسا حج رحمتِ بیجا کے سوا کچھ بھی نہیں
عشقِ محکم نہ ہو گر احمدِ مختار کے ساتھ

گر مدینے کا تصور ہو تو ظلمت کیسی!
ربط مضبوط رہے عالمِ انوار کے ساتھ

پُل سے مجھ سا بھی گنہ گار گزر جائے گا
ہو گی سرکار کی رحمت جو گنہ گار کے ساتھ

رات دن بھیج سلام ان پہ ملائک کی طرح
پڑھ درُود ان پہ غلامان وفادار کے ساتھ

دیکھ! اے معترضِ نعتِ رسولِ عربیؐ
قربِ حسّانؓ کو ملا تھا انہی اشعار کے ساتھ

سب عطائیں ہیں خدا کی میرے مولاؐ کے طفیل
ورنہ یہ لطف و کرم مجھ سے گنہ گار کے ساتھ

ہم بھی مظہرؔ سنیں گے کوئی نعتِ رنگیں
گر ملاقات ہوئی شاعرِ دربار کے ساتھ

---

# آنحضرت کو پکارنے کے آداب

اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السّلام کو نام بنام خطاب فرمایا ہے یاآدم یا ابراہیم۔ یا موسیٰ۔ یا داوٗد۔ یا عیسیٰ لیکن سارے قرآن مجید میں کہیں آنحضرت کے نام پاک کے ساتھ ندا نہیں کی گئی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز انعامات کے ساتھ خطاب فرمایا گیا ہے۔ یعنی

یاایّھا النّبیُّ۔ یاایّھا الرّسولُ۔ طٰہٰ۔ یٰسین

یا آدمؑ است با پدرِ انبیاء خطاب یا ایّھا النّبیّ خطابِ محمدؐ است

آیت لا تجعلوا دعاء الرّسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً (رسول اکرم کو اس طرح نہ پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے رہتے ہو۔)

علّامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت عام مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ حضور کو ان کا نام لے کر یا محمد ندا نہ کرنا چاہیے بلکہ غایت تعظیم و توقیر کے ساتھ یا رسول اللہ۔ یا نبی اللہ۔ یا امام المسلمین۔ یا خاتم النبیّن جیسے القابات کے ساتھ ندا کیا کرو۔

# حضور کو اپنے جیسا ظاہر کرنے کے نقصانات

یہ کیسا اُمتی ہے کہ جس کے دل میں آنحضرت کی تحقیر کرتے ہوتے چبھن محسوس نہیں ہوتی۔ آپ کو بے اختیار، لاعلم اور امّت کے احوال سے غافل ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے دلائل تلاش کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی امت کے تعلق میں حضور کو مختار بنایا ہے۔ جسے چاہیں کسی شرعی حکم سے مستثنیٰ کر دیں۔ یہ آپ کا منصبِ خاص ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔ آپ کو اپنی امّت پر گواہ (شہید) بنایا گیا ہے۔ اور قیامت کو آپ افرادِ امّت کے سارے اعمال کو پہلے ہی جانتے ہوں گے۔ اسی کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| تو غنی از ہر دو عالم من فقیر | روزِ محشر عذر ہائے من پذیر |
| تو اگر بینی حسابم ناگزیر | از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر |

افرادِ امت کو ایسا کام نہیں کرنا چاہیے کہ جس کے لئے حضور علیہ السّلام کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے اور ہمیشہ ہر حال میں یہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے تمام

اعمال پر آنحضرتؐ کی نظر ہے۔ پھر ہم سے حضور کی تعلیم کی خلاف ورزی والے کام نہیں ہوں گے۔ لہٰذا آپ کو اپنے جیسا انسان سمجھنے کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی منشا کے خلاف آپ کو عام مخلوق کے برابر قرار دینے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ محبوبِ خدا منزہ عن الخطا اور ایک عام عاصی خاطی انسان کے مابین فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ اور اس طرح اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

جب لوگ کہتے ہیں کہ حضور ہمارے جیسے انسان ہیں تو ظلمِ عظیم کرتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہہ دیجئے کہ بیشک میں تم جیسا انسان ہوں۔

واقعی قرآنِ حکیم کی آیت ہے لیکن اس کے یہ معنی کب ہیں کہ آپ ہر جہت سے دوسرے انسانوں کی طرح ہیں؟ عزیزو! نورِ ایمان کے ساتھ دیکھو کہ کوئی سے دو انسان اگرچہ معروف معنوں میں ایک جیسے کہے جاتے ہیں لیکن ان کی شکل و شباہت، فکر، رنگ۔ آواز۔ عادات پسند، ناپسند۔ خصلت وغیرہ کی خاصیتیں ہیں جو آپس میں بالکل نہیں ملتیں۔ اسی طرح بشر ہونا حضور کی ایک جہت ہے۔ آپؐ کو بشر پیدا کر کے خالقِ کائنات نے بشریت پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ اگر دین کسی فرشتے یا جن کی معرفت بھیجا جاتا تو انسان اس سے ہرگز مانوس نہ ہوتے۔ پھر سنّت کا وجود ہی نہ ہوتا۔ افرادِ امّت کس کی پیروی کرتے؟ ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضور علیہ السلام خیر البشر بنائے گئے۔ آپ نے انسانوں ہی میں بچپن گزارا۔ تجارت کی۔ شادیاں کیں۔ جنگیں لڑیں اور قیامت تک کے لئے نمونے قائم کئے۔ تاکہ امّت کو کارزارِ زندگی کے ہر موڑ پر آپؐ کا نمونہ مل سکے لیکن اس سلسلے میں بھی

آپ یکتا ہیں کیوں کہ دوسرے انبیاء نے اپنی عملی مثالیں اور نمونے نہیں چھوڑے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام ہی کی زندگی کو سامنے رکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ تیس سال کی زندگی ہی میں آسمان پر اُٹھاتے گئے۔ نہ انھوں نے شادی کی۔ نہ تجارت کی۔ نہ ہی جنگ لڑی تو بتائیے وہ کسی کے لئے کیسے نمونہ بن سکتے ہیں؟ بیوی بچوّں کے ساتھ سلوک۔ لین دین میں حکومتی معاملات میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زندگی کوئی نمونہ پیش نہیں کرتی۔ خود مسلمانوں کی طرف سے آنحضرتؐ کو عامی انسان قرار دینے سے غیر مسلموں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اب عیسائی مشنریوں کو لے دے کے اُن مسلمانوں کی تحریروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو حضور علیہ السّلام کی کسرِ شان میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ اور حضرت عیسٰی السّلام کے مقابلہ میں بانیٔ اسلام کو کم تر ثابت کرنے لگتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں ایسے مسلمانوں کی تحریروں اور تقریروں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ خصوصًا قرآن پاک کی بعض آیات کا احتیاط سے مُبرا ترجمہ ان لوگوں کی مطلب برآری میں بہت کام آتا ہے۔

پادری سلطان احمد نے جو اعتراضات اسلام پہ کئے ہیں ان میں آیات قرآنیہ
إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ
— وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ بھی شامل ہے۔

ذرا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو ظاہر فتح تو کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں تیرے سے اور جو کچھ پیچھے ہوا ......
اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا اور پس راہ دکھائی ......

اَب اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خاں کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ بے شک ہم نے تمھارے لئے روشن فتح فرمادی۔ تاکہ اللہ تمھارے سبب سے گناہ بخشے تمھارے اگلوں کے اور تمھارے پچھلوں کے ........

اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی ............

تعصب کی عینک اتار کر اگر دوسرا ترجمہ عام کیا جاتا تو عیسائیوں کو یہ کہنے کا موقع تو نہ ملتا کہ مسلمانوں کے قرآن کے مطابق محمد صاحب کے اگلے اور پچھلے گناہ ثابت ہیں۔ نیز آپ کبھی بے راہ بھی رہے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ یہ امر بالاتفاق تسلیم ہے کہ تمام نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں پھر اگلے پچھلے گناہوں کے بخشنے کا مفہوم کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ اگر نبی کو اپنے جیسا انسان کہنے کی روش یہ چلتی رہی تو اس طرح کی بے احتیاطیاں بھی معرض وجود میں آتی رہیں گی۔

## آپؐ کا منصب خاص

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حضور کو خاص طور پر

بِاَنَّہٗ یَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ — یہ منصب حاصل ہے کہ آپ جس کو چاہیں

مِنَ الْاَحْکَامِ (خصائص کبریٰ جلد دوم) — کسی حکم شرعی سے مستثنیٰ فرمادیں۔

اس کی مثالیں پیش کرنے کے سلسلے میں امام قسطلانی نے پانچ اور امام سیوطی نے دس واقعات بیان فرماتے ہیں۔ جب کہ اعلیٰ حضرت بریلوی نے پندرہ۔ یہ سب صحیح معتبر احادیث سے لئے گئے ہیں۔ ابو بردہ کو قربانی کے لئے چھ مہینے کے بکرے کی اجازت

مرحمت فرمائی گئی۔ جب کہ قیامت تک کے لیے پورے ایک سال کے بکرے کی قربانی جائز رہی ہے۔ پھر ایک جنگ کے اختتام پر مالِ غنیمت کی تقسیم پر صرف ایک انگوٹھی سونے کی رہ گئی وہ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے حضرت براء ابن عازب کو پہنا دی اور فرمایا "جو کچھ تمھیں اللہ و رسول پہناتے ہیں پہن لو۔" انھوں نے پھر وہ انگوٹھی کبھی نہیں اتاری۔ حالانکہ مرد کو سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص دو نمازیں پڑھنے کی شرط پر مسلمان ہونے کو تیار ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کی اجازت دے دی اور اس کے اسلام کو قبول کر لیا۔ اگر آج کوئی شخص اس شرط پر ایمان لانا چاہے کہ دو ہی نمازیں پڑھوں گا کوئی بھی اس کو اجازت نہیں دے سکتا نہ ہی اس کے ایمان کو تسلیم کیا جائے گا۔ اس وقت تو حضور سرورِ کائنات ظاہری حیات کے ساتھ موجود تھے اور آپؐ کو خدا نے مالک شریعت، شارع اسلام اور اپنا خلیفۂ اعظم بنایا تھا اور مرتبہ مرحمت فرمایا تھا کہ جس کو چاہیں اور جس حکم شرعی سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں۔ جنگِ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہو جانے کی خبر پھیل گئی تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مدینے میں سخت بیقرار ہو گئیں اس پر ایک عورت نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں حضورؐ کی خبر میدان جنگ سے لاتی ہوں اور وہ لشکرگاہ پہنچیں تو راستے میں اپنے خاوند کی لاش ملی اس نے وہاں توقف نہ کیا پھر اپنے اکلوتے بیٹے کا جسم بے جان دیکھا وہاں بھی نہ ٹھہری بلکہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں تھی۔ بالآخر وہ آپ کے پاس پہنچ گئی اور قدموں میں گر پکار اٹھی حضورؐ پدر و پسر و برادر اور تمام میرا قبیلہ

آپ پر جانیں نثار کر چکا ہے میں بھی فدا ہونے کو آتی ہوں اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیغام لائی ہوں۔ وہ آپ کی جدائی میں گریہ کناں ہیں"۔ آپؐ کے حکم پر اس عورت نے واپس جا کر سیدہ کو حضورؐ کی بشارتِ حیات سنائی اور ان کو ساتھ لے کر پھر آپؐ کی خدمت میں پہنچی۔ حضورؐ نے دونوں خواتین کی تشفی کی کہ میں ابھی حیاتِ ظاہری میں ہوں۔ اس پر حضرت فاطمہؓ نے کہا اَبّا جان! میں اس عورت کو انعام دینا چاہتی ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا "مانگ کیا مانگتی ہے؟"

قارئین کرام ذرا غور کریں۔ آپؐ کی وسعتِ اختیار و بخشش کو دیکھئے۔ اب اس عورت پر منحصر ہے کہ وہ دنیا کی نعمتیں سمیٹ لے یا آخرت کی۔ اس عورت نے عرض کی "صرف یہ چاہتی ہوں کہ بروزِ قیامت میرا یہ ہاتھ سیدہ فاطمہ کے ہاتھ میں ہو۔ اور وہاں مجھے بھلا نہ دیا جائے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا۔ سبحان اللہ آپ کے مختارِ کُل ہونے پر اِن لوگوں کا کس قدر ایمان تھا۔

عزیز بھائیو! اِن روزِ روشن واقعات کے ہوتے ہوتے بھی یہ کہنے والے موجود ہیں کہ جس کا نام محمدؐ و علیؑ ہے وہ کسی بات میں اختیار نہیں رکھتے اور صرف احکامِ خدا آگے پہنچانے پر مامور ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ

"آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جن کے چہرے آدمیوں کی طرح ہوں گے اور ان کے دل شیطانوں کے دلوں کی طرح۔ اِن کے دلوں پر رحمت کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔۔۔۔ دیگر فرمایا کہ ان میں جو آمر بالمعروف ہوں گے وہ بدعمل ہوں گے۔ مومن اِن میں کمزور ہوگا۔

فاسق کی تعظیم کی جائے گی۔ سنّت کو بدعت کہیں گے۔ اس وقت اِن لوگوں پر شریر لوگوں کو مسلّط کر دیا جائے گا۔ ان میں سے نیک لوگ دعا کریں گے تو دعا قبول نہ ہوگی" ابن عباسؓ

آج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنّت کو واقعی بدعت کہا جا رہا ہے۔ آپ کے میلاد منانے کو بھی بدعت کا نام دیا جاتا ہے۔ مقامِ غور ہے کہ وہ ہستی جس کی خاطر یہ کائنات پیدا کی گئی اور جس کے بھیجنے پر خالقِ کائنات مومنین پر احسان فرماتا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا

اس احسانِ عظیم کا شکر ادا کرنا کس قدر ضروری ہے۔ جو لوگ جشنِ میلاد کو تماشا بنا دیتے ہیں اِن کی سرکوبی کرنی ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس مبارک دن کو نظر انداز کر دیا جائے بموجب حکمِ قرآن هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ پروردگارِ عالم نے قرآن مجید کے اندر صرف ایک ہی احسان کا ذکر کیا ہے اور وہ ہے حضورؐ کی بعثت۔ کیا آپ پر فرض عائد نہیں ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کے لئے مجسّمِ شکرانہ بن جائیں؟

# سلف صالحین کا طریقہ

## (سنت اور جماعت)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو خدائی پیغام لاتے اسے اِسلام کہتے ہیں۔ اسلام کیا ہے؟ اسلام کی سادہ اور آسان قابلِ فہم تعبیر یہ ہے کہ آپؐ نے جو کچھ عمل کے لئے پیش کیا وہ اسلام ہے۔ وہ کام جن کو ہوتے دیکھ کر آپؐ نے منع نہ کیا وہ جائز قرار پاتے اور جن کو دیکھ کر کرنے سے روک دیا وہ ناجائز۔

| | |
|---|---|
| مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ | رسول جو کچھ تمھیں دیں وہ لے لو اور |
| وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا | جس سے منع کریں رک جاؤ۔ |

(القرآن)

چنانچہ حضورؐ کے صحابہ نے اس حکم پر پورا پورا عمل کیا اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے پیش نظر اپنی ساری زندگیوں کو اسوۂ رسول کے سانچے میں ڈھال لیا۔ گروہی اور خاندانی تعلقات۔ والدین اور اولاد کی اُلفت

مال و دولت نیز وطن سے تعلق کچھ بھی آپ کی اطاعت کے راستہ میں روکاوٹ نہ بن سکا۔ وہ ہر امتحان اور ہر ابتلا میں کامیاب رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ اتباع اور اطاعت بارگاہ صمدیت میں اس درجہ قبول ہوئی کہ خدا تعالےٰ نے بعد کی آنے والی نسلوں کو انہی کے معیارِ حق پر چلنے کا حکم دے دیا۔ اور اپنی رضامندی کو اِن کے اتباع پر موقوف فرمادیا۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ۔۔۔۔

اس آیت کے پیشِ نظر اس بات میں کوئی شک باقی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والی اُمت پر اپنی رضامندی و فوز و فلاح کے لئے صحابہ کرام کا اتباع لازم قرار دیا ہے۔

اسلام کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ سنتِ رسول اور جماعتِ صحابہ کے طریقہ سے وابستگی۔ پس حاملِ سنت اور جماعت صحابہ کے ساتھ مکمل الحاق رکھنے والے اہل سنّت والجماعت کہلاتے ہیں۔ جو کہ صحیح سلفِ صالحین ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر وضاحت فرمادی کہ "میرے وصال کے بعد تم لوگ اختلاف کثیر پاؤ گے۔ ایسے موقع پر تم میری سنّت اور خلفاءِ راشدین کی سنت پر عمل کو لازم کر لینا۔ اور اس طریقہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا" (حضرت عرباض بن ساریہ)

پھر مزید تشریح فرمادی "میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ جن میں

سے ایک فرقہ کے سوا باقی سب جہنمی ہوں گے" صحابہ کرام نے پوچھا "حضور وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا "جو میری سنّت کا حامل اور میرے صحابہ کے طریقے سے وابستہ ہوگا" (امام ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جماعت کے ساتھ وابستگی لازم رکھو" (معاذ بن جبل)

**سنّت کی تشریح :** سنّت سے مراد وہ راستہ ہے جو امّت کے لیے دین میں مقرر کر دیا گیا جس کو شریعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ فرائض ہوں یا کہ واجبات۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ متوفی ۱۰۵۲ھ)

یہاں ایک نقطہ قابل غور ہے۔ ہمارے لیے راستہ کے تعین سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ اس سے وہ اعمال خارج ہو گئے جو بعد میں منسوخ ہو گئے۔ یعنی نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین۔ آمین بالجہر۔ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا وغیرہ۔ پھر یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال جو صرف آپ کی خصوصیّات میں سے ہیں۔ ہمارے لیے وہ جائز نہیں۔ یعنی تہجد کی فرضیّت، صوم وصال، ایک ہی وقت نو ازواج مطہرات نکاح میں رکھنا وغیرہ۔

**حدیث کی تشریح :** حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث کا اطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر قول، فعل اور حال پر ہوتا ہے: مثال اس کی یہ ہے کہ آپ نے ماضی اور مستقبل کی جو خبریں دی ہیں وہ بھی حدیث

ہیں اور پھر ابتدا اسلام میں شراب پینے سے منع نہ کیا گیا۔ یہ بھی حدیث کا حصہ ہے۔ پھر جب اس سے منع فرمایا گیا تو یہ بھی حدیث بنتی ہے۔ بالکل اسی طرح آپ علیہ السلام کی جو ذاتی خصوصیات ہیں وہ سب حدیث ہیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک مسلمان عامل سنت ہو سکتا ہے عاملِ حدیث نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ حدیث میں وہ اعمال بھی بیان ہوتے ہیں جو پچھلی امتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں کئی ایسے ہیں جن پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

لہٰذا تمام احادیث پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ تمام سنن پر عمل کرنا عین ممکن ہے۔ پس ایک مسلمان اہلِ سنت ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے کبھی حدیث پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ میری احادیث دوسروں تک پہنچاؤ۔ یبلغ الشاھد الغائب بخاری۔ حدیث سننے والا بعد والوں کو میری احادیث پہنچا دے، اس کے برعکس سنت پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے۔ مثلاً

میری سنت پر عمل کو لازم کر لو۔ پھر یہ بھی آپ کا فرمان ہے،

"جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری امت میں سے نہیں ہے جس شخص نے میری کسی ایسی سنت پر عمل کر کے اسے زندہ کیا جس کو لوگ ترک کر چکے ہوں تو اس سنت پر عمل کرنے کو بعد کے تمام لوگوں کی مثل ثواب ملے گا اور ان کے اجر میں کمی نہ ہو گی۔

خیال رہے کہ اہل حدیث کسی مسلک کا عنوان نہیں ہے۔ بلکہ کسی قدیم تحریر میں جہاں اہل حدیث کا لفظ آیا ہے تو اس سے حضراتِ محدثین مُراد ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو مشتغل بالحدیث ہوتے ہیں نہ کہ عامل بالحدیث۔

اہل سنت والجماعت ہی اصل الاصول ہے اور سلفِ صالحین کے راستہ پر ہے۔ مجددِ الف ثانی شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں "آج کوئی اس حقیقت کو جانے یا نہ کل آخرت میں سب کو معلوم ہو جائے گا کہ در اصل اہل سنت والجماعت ہی حق پرست مسلک پر ہیں۔ (مفہوم)

## مزارات پر حاضری

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب میں تمھیں کہتا ہوں کہ زیارتِ قبور کیا کرو۔ کیوں کہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ منع اس لئے کیا تھا کہ زیارت قبور کی آزادی دینا عام طور پر غیر اللہ کی عبادت تک پہنچا دیتی ہے لیکن جب اسلامی تعلیمات نے دلوں میں جگہ پکڑ لی اور توحید ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تو آپ نے اس کی اجازت دے دی"

حقیقت یہ ہے کہ شروع میں جب اسلام کا اعلان ہوا تو زیادہ تر قبور کفار اور مشرکین کی تھیں۔ اور زیارتِ قبور کا جواز نہ تھا۔ بعد میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے حضور نبی کریم نے اپنی اُمت میں توحید کے جڑ پکڑنے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے

زیارتِ قبور کی اجازت دے دی۔ جب آپؐ کو افرادِ امت پر یہ اعتماد اور بھروسہ ہے کہ وہ اب شرک نہیں کریں گے تو اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے حضورؐ کی دی ہوئی اجازت کو کالعدم قرار دے۔ اور زیارتِ قبور کے خلاف مہم جوئی شروع کر دی جائے۔ عامۃ المسلمین پر یہ اتہام ہے کہ وہ اصحاب مزارات کو مستقل حاجت روا سمجھتے ہیں۔ چند سر پھرے جہلا کے قبیح افعال کو ساری امت کے کھاتے میں ڈال دینا قرینِ انصاف نہیں ہے ان کے برعکس ایسے بھی لوگ ہیں جو روضۂ رسول کو صنمِ اکبر کا نام دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

مشایخ چشتیہ اور دیگر بزرگوں نے زیارتِ قبور کے مختلف اوراد و آداب بیان فرماتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے کہ بزرگوں سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ قبر شریف کے سرہانے کی جانب کھڑے ہو کر قبر پر انگلی رکھے اور شروع سورۃ بقرہ سے مفلحون تک قرآن پڑھے پھر قبر کی پائنتی کی طرف جاتے اور امن الرسول آخر تک پڑھے اور زبان سے کہے اے میرے حضرت! فلاں کام کے لئے درگاہ الٰہی میں التجا دعا کرتا ہوں۔ آپ بھی دعا کریں (کمالاتِ عزیزی)

استغاثہ با اصحاب القبور کے متعلق حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

اِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِيْنُوْا بِاَصْحَابِ الْقُبُوْرِ

[جب تم دنیوی امور میں غلطاں و پریشان ہو جاؤ تو اصحابِ قبور سے مدد طلب کیا کرو] کی وضاحت میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس جگہ استعانت میں احتمال یہ ہے کہ

اس سے مُردہ مُردوں کے لااحوال کو یاد کر کے عبرت پکڑتا ہے۔ جس سے امور دنیوی سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے اور پریشانی روزگار میں کمی ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ اہل سنت والجماعت کے طبقہ صوفیہ کا نظام صحیح الفکر، خدا ترس اور صالح مسلمان کے لئے اعمال و اوراد تزکیۂ نفس کے اشغال اور عبادات کا وہی سلفِ صالحین کا نظام ہے جو خیر القرون سے چل کر تسلسل کے ساتھ ہر زمانہ میں باقاعدہ مربوط انداز میں رائج رہا ہے۔ جب تک یہ نظام رائج رہا اور اس پر عمل ہوتا رہا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور پھر غزالی رازی، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز، جیسے بزرگان دین اور عالمانِ شرع متین منظر عام پر آتے رہے۔ مگر آج جب کہ اس نظام کے عملی پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ملتِ اسلامیہ میں مشاہیرِ رجال کا ظہور بھی یک دم رک گیا ہے۔ بعض خود پسند محققین توحید کے نام پر اُمتِ مسلمہ کی پوری ہزار سالہ تاریخ پر پانی پھیر کر فخریہ طور پر اسے خدمتِ اسلامی کا نام دیتے ہیں۔ جو حد درجہ افسوس ناک ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت بعض اکابر اہل سُنت کی طرف نسبت کر کے ایسی تحریریں پیش کی جاتی ہیں جن کا ان کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے بغیر راسخ العقیدہ مسلمانوں میں ان کے خیالات اپنا مقام پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ اگر اس کی مثالیں پیش کی جائیں تو ایک دفتر درکار ہے۔ ہم صرف حضرت شاہ ولی اللہ کی طرف نسبت کر کے اُن سے منسوب کیے جانے والے نظریات کی طرف اشارہ کریں گے۔

ملک کی ایک بڑی عالم شخصیت شاہ ولی اللہ کے نظریات اور مسلک پر

بحث کرتے ہوتے تحریر کرتی ہے کہ انبیا علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ خدائے واحد قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے۔ خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء۔ اولیاء۔ صالحین۔ مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشایخ اور ظلِ الٰہیوں کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی رہی۔ جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا ...... اِن بزرگوں کی ولادت و وفات، ظہور و غیاب، کرامات و خوارق، اختیارات و تصرفات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے تقرب کے متعلق بت پرست مشرکین کی طرح کی میتھالوجی تیار کر لی۔ تیسری جانب توسل اور استمداد روحانی اور اکتسابِ فیض وغیرہ کے خوش نما پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے" (از منصب تجدید کی حقیقت اور تاریخ تجدید شاہ ولی اللہ کا مقام) اس تحریر کا ابہام صاف ظاہر ہے۔ نیک بندوں کی ولادت و وفات تو ان کو مخلوق ظاہر کرنے کے لئے منائی جاتی ہے۔ نہ کہ خدا۔ یہ بجائے خود توحید کی تائید ہے کہ میلاد اور عرس منائے جائیں۔ اب ذرا خود شاہ ولی اللہ کے مسلک اور اُن کی تحریروں کی طرف رجوع کریں۔ آپ شاہ ولی اللہ کی تصنیف انفاس العارفین ہی کو پڑھیں گے تو اسے توسل، استمداد، تصرفات، کشف و اطلاع و خواطر، ریاضیات اوراد و اشغال و الغرض، مسلک صوفیاء اور صافیہ کے واقعات سے بھری ہوئی پائیں گے۔ کیا آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالرحیم، شیخ ابوالرضا، سراج الہند

شاہ عبدالعزیز سب بزرگوں کو کفر و شرک میں مبتلا قرار دینا چاہتے ہیں؟

قارئین کرام دراصل سلفِ صالحین کے جاری و ساری مسلک پر پہلی کاری ضرب جس نے برصغیر کی پُرسکون فضا کو دہلا کر رکھ دیا، تقویۃ الایمان کی تصنیف تھی۔ جو سوئے اتفاق سے اسی خاندان کے ایک فرد شاہ اسماعیل نے لکھی۔ یہ ایک ایسی نئی سمت کی طرف نشان دہی کرتی تھی اور اس کا انداز بیان ایسا جارحانہ تھا کہ علمائے امت کے اٹھائی سو اہل علم اور صوفیا نے اس کا نوٹس لیا اور اس کے رد میں تصانیف کا انبار لگ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے مسلک کے خلاف یہ آواز ان کے اس جہانِ فانی سے کوچ کرنے کے کچھ ہی عرصہ بعد بلند ہوئی اور یقین نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس درمیانی مختصر عرصہ میں سارا برصغیر کفر و شرک کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ حق پسند لوگ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اصل کیا ہے۔

دیانت اور حق پرستی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس متشدد تحریک کی اصل شیخ محمد بن عبدالوہاب ہی سے منسوب سمجھی جاتی اور اسے حضرت شاہ ولی اللہ کے مسلک کا پرتو نہ مانا جاتا اور "تحفۃ الموحدین" کی طرح کے رسالے بلاوجہ حضرت شاہ ولی اللہ کے نام منسوب نہ کیے جائیں اور شاہ صاحبؒ کے مسلک کی غلط تاویلات سے گریز کیا جاتے۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن یہاں پر یہ ہمارا مقصود و مدلول نہیں ہے۔ صرف اس قدر خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت شاہ ولی کے چند عقائد و مسائل بیان کر دیتے جائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ عشقِ رسول اور ذاتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی قرب کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی تصنیف انفاس العارفین سے یہاں کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

والدِ گرامی شاہ عبدالرحیم کی بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اپنے والد کو موئے مقدس عطا فرمانے کا حال بیان کر کے فرماتے ہیں "جب والد گرامی نیند سے بیدار ہوتے تو وہ دونوں بال مبارک ان کے پاس موجود تھے۔ پھر بعض منکرین کی اصلاحِ عقیدہ کے لئے جب اِن کو باہر نکالا گیا تو اِن پر فوراً بادلوں نے سایہ کر لیا۔ تین دفعہ یہ واقعہ ہوا۔ چنانچہ منکرین نے توبہ کر لی۔ جب اِن بالوں پر درود شریف پڑھا جاتا تھا تو وہ علیحدہ علیحدہ کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ عام حالت میں وہ باہم دگر گتھے رہتے تھے"۔ آپ نے لکھا ہے کہ اِن میں سے ایک بال مبارک بعد میں والد گرامی نے مجھے دیا۔ جس پر اللہ کا شکر ہے۔

شاہ عبدالعزیز نے انفاس العارفین کے سلسلہ میں اپنے والدِ ماجد شاہ ولی اللہ کے بارے میں عینی شہادت دی ہے کہ "والدِ ماجد جو کچھ بھی لکھتے تھے اس کا طریقہ یہ تھا کہ مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کے سامنے آتی تھی صرف اسے لکھتے"۔ اس تسلّی کو سامنے رکھتے ہوئے اگر آپ کے کمالات پر غور کیا جائے تو شک و شبہ کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ انفاس العارفین کے آئینے میں حضرت شاہ صاحب کی کرامات اور تصریحات سے ہر شخص کو اپنے دل و دماغ کو منور کرنا چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی اس تصنیف میں اپنے والد شیخ عبدالرحیم کے متعلق بھرپور ذکر کیا ہے۔ جو کہ ظاہری علوم اور باطنی کمالات میں لاثانی اور بے نظیر تھے لیکن افسوس اِن اِن کا ذکر نے سے دانستہ پہلو تہی کی جاتی ہے کیوں کہ فی زمانہ جو رجحان پیدا ہو چکا ہے وہ ان کے ساتھ ذہنی موافقت نہیں پاتا۔ لیکن حق حق ہی ہوتا ہے اور زمانے کے ساتھ نہیں بدل جاتا۔ اہل سُنت کو اس خاندان کے ملفوظات اور مکتوبات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرنی چاہیے تاکہ بدعت اور شرک کے پردے میں بزرگان دین سے برگشتہ کرنے کی مہم کا مقابلہ کیا سکے۔

شاہ عبدالرحیم ایک جیّد عالم دین بھی تھے اور نامور محدّث بھی۔ بلکہ حیات ولی میں لکھا ہے کہ اس معزز بزرگ نے سب سے پہلے حدیث کے درس و تدریس کی بنیاد اِس کفرستان ہند میں ڈالی۔ آج کے ہر استاذ الحدیث کو انہی سے خوشہ چینی کرنی چاہیے۔ مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کی فکری تربیت ان کے والد شاہ عبدالرحیم ہی نے کی تھی۔ (جو کہ خود بڑے عالم اور ولی تھے)

لہٰذا اولیاء اللہ کی روحانی قوتوں کا تذکرہ دیکھنا ہو تو اصحاب بصیرت انفاس العارفین کا مطالعہ کریں۔ آج جو سلفِ صالحین کے امور پر اعتراضات کر کے اُن کو رشتہ ماضی سے توڑ کر توہم پرستی اور بدعت سے ملایا جاتا ہے۔ اس کا معاملہ بھی واضح ہو جائے گا۔ ایک بات کی وضاحت کر دینی ضروری ہے۔ اہل سنت کی یہ ہر گز مراد نہیں ہے کہ مستحب اور مستحسن امور کو واجبات کا درجہ دیا جائے۔

یا انھیں دین کا ضروری حصّہ قرار دیا جاتے تاہم انھیں شرک و بدعت جیسے خطرناک الزام کا مورد قرار دینے سے قبل یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اس سے ہم اپنی دینی تاریخ کے کتنے بڑے اور اہم حصّے کو جھٹلانے کے مرتکب ہو تے ہیں۔

## کشفِ قبور پر واقعاتی استشہاد

قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں "حضرت شاہ منظور احمد ۔ حضرت شاہ نانوتوی رحمۃ اللہ کے مزار پر حاضر ہوتے اور ڈیڑھ گھنٹہ مراقب رہے ۔ احقر راقم الحروف بھی ساتھ تھا۔ واپسی پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت کو اس مقبرہ میں مدفونین کے ساتھ اس طرح دیکھا جیسے مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لئے ہوتے بیٹھی رہتی ہے ......" اشارہ ہے کہ کسی ایک مقبول بندے کی تکریم میں اس کے پاس والے بہت سی آفات سے بچا لیتے جاتے ہیں ۔

پھر قاری صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی وفات سے تقریبًا دو سال قبل دانت درست کرانے کے لیے لاہور تشریف لائے تو واپسی سے ایک دن قبل لاہور کے قبرستانوں کی زیارت کے لئے بھی نکلے ۔ سلاطین کی قبروں پر بھی گئے اور مساکین کی قبریں بھی دیکھیں ۔ فاتحہ پڑھی ، ایصال ثواب کیا۔ اس سلسلہ میں وہ حضرت علی ہجویری معروف بہ

داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچ کر دیر تک مراقب رہے۔ وصل مرحوم بلگرامی ساتھ تھے۔ انھوں نے بیان فرمایا کہ داتا گنج بخش کے مزار سے لوٹتے وقت (حضرت تھانوی نے) فرمایا یہ کوئی بہت بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں میں نے ہزار ہا ملائکہ کو اِن کے سامنے صف بستہ دیکھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ سلاطین کے مزاروں پر پہنچا تو انھیں مساکین کی صورت میں دیکھا کہ جیسے کوئی بھی پرسان حال نہ ہو (اس کے برعکس) مساکین کو سلاطین کی صورت میں پایا۔

قارئین کرام حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی چلّہ کیا تھا اور آپ کے فیوض و برکات دیکھے تھے۔ علمائے دیوبند میں سے مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے اس مزار پر جو کیفیات محسوس کیں ان کا حال آپ نے اوپر پڑھ لیا ہے۔ پھر اہل سنت کے اس معمول پر یہ اعتراض بالکل بے جا معلوم ہوتا ہے کہ مزارات اولیاء پر جانا بدعت ہے۔ البتہ طبقہ جہلا کی ان حرکات کا سختی سے نوٹس لینا ضروری ہے جو کہ اِن مزارات غیر شرعی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اہل سنّت والجماعت کے فہمیدہ اصحاب ان کے اس عمل سے واقعی نالاں ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ صلح کل قبور کی زیارت کو شجرِ ممنوعہ بنادیا جائے۔ اور زیارت قبور کے متعلق حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسِ پشت ڈال دیا جائے اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ مزارات پر نازیبا حرکات کرنے والے

لوگ طبقہ جہلا سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ نہ ہی اہل سنت والجماعت ہیں نہ غیر مقلد۔ ان کو غیر شرعی کاموں سے روکنا ہر اس مسلمان کا فرض ہے جو بزرگوں کا ادب کرتا ہے اور ان کے مزارات کی زیارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات کے عین مطابق کرنے پر کاربند ہے۔ ماضی قریب کی بزرگ شخصیتوں کی مثال بھی سامنے رکھنی چاہیے۔ جو آج کے علماء سے بہتر شریعت محمدیہ کو سمجھتے تھے۔ ان لوگوں نے ہمیشہ بزرگوں کے مزارات اور آثار کی زیارت کی اور ان کا احترام کیا۔

علامہ ابن حاج مالکی (متوفی ۷۳۷ھ) فرماتے ہیں "زائر قضائے حاجات اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے ان قبروں والوں یعنی ان میں سے صالحین سے توسل کرے۔ پھر اپنی ذات کے لیے اور اپنے والدین و مشائخ و اقارب و اہل مقابر کے لیے اور قیامت تک ان کی اولاد کے لیے اور مسلمان مردوں اور زندوں کے لیے اور اپنے غائب بھائیوں کے لیے دعا کرے۔ اور ان اہل قبور کے پاس عاجزی و زاری کرے اور دعا کرے۔ بار بار اللہ تعالےٰ کے تقرب کا ان کو وسیلہ بناتے.... کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو برگزیدہ بنایا ہے۔ بزرگ اور گرامی بنایا ہے۔ پس جس طرح اس نے دینا میں ان کے ذریعے (امت) کو فائدہ پہنچایا۔ آخرت میں اس سے زیادہ نفع پہنچائے گا۔ جو شخص کوئی حاجت چاہے اسے چاہیے کہ ان کے پاس جائے اور ان سے توسل کرے۔ کیوں وہ اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ ........

...... مشرق و مغرب میں علماء و اکابر علیہم سے ان کی قبروں کی زیارت کو مبارک سمجھتے رہے ہیں "

اسی طرح کے خیالات کا اظہار امام ابو عبداللہ بن نعمان بھی کرتے ہیں۔ قضاتِ حاجات اور گناہوں کی بخشش کے لئے صلحا کی قبروں کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانے کی ہدایت دینے کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کی خدمت میں حاضری دینے سے معذور ہو وہ کسی دوسرے کے ہاتھ سلام پہنچاتے۔ پھر اپنی حوائج و مغفرت، ذنوب ستر عیوب کا ذکر کرے۔ یہ کلام عام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے بارے میں ہے۔ البتہ سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیان کردہ آہ و زاری کو کئی گنا زیادہ کرے۔ حضور شافع مشفع ہیں اور ان کی شفاعت رد نہیں کی جاتی۔

لَا تَحْرِمْنَا شَفَاعَتَهٗ بِحُرْمَتِهٖ عِنْدَكَ ۔ اٰمین یا رب العالمین ۔

جو شخص اس کے خلاف اعتقاد رکھتا ہو وہ محروم ہے۔

# زندہ نبیؐ
## کی
# زندہ تعلیم

فرمانِ خداوندی میں کس قدر صداقت ہے کہ آج بھی ہم اِس کو بدرجہ اُتم پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا ہے:

وللاخرۃ خیر لك من الاولی

اے نبی تیرے لئے آنے والے زمانے گزرے ہوئے زمانوں سے زیادہ بہتر ہیں۔

اور دیکھ لیجئے حضور علیہ السلام کی علوِ شان میں کیسے کیسے کارنامے سرانجام دیئے جارہے ہیں اور کیسی کیسی کاوشیں منظرِ عام پر آرہی ہیں۔ غیر مسلم مستشرقین کی اسلام کی تعریف و توصیف میں اور بانیٔ اسلام کی فضیلت میں بہت سی تصانیف لکھی اور پڑھی جارہی ہیں۔ خود امتِ مسلمہ کے ایک مکتبۂ فکر یعنی دیوبندی اصحاب کی طرف سے بھی اَب برملا اس حقیقت کا اظہار شروع ہوگیا ہے۔ کہ "حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ زندہ ہیں بلکہ آپ کی سیرت کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور اس ضمن میں بھی آپ بے مثال ہیں۔ حیات تو آپ کے بے شمار اُمتیوں کو بھی حاصل ہے البتہ آپ کی حیات انتہا درجہ کی

اعلیٰ وارفع قسم کی ہے لیکن اس سے کہیں اہم چیز ہے سیرت النبیؐ کا جاری ہونا جس کا سلسلہ وصال کے بعد بھی قائم ہے اور کیوں نہ ہو یہ اسی حیات النبیؐ کا نتیجہ ہے۔ (زیریں لائن انہی کی لگائی ہوئی ہے) میں ریت کی بنیاد پر ہوائی قلعہ تعمیر نہیں کرتا میرے موقف میں جان اور صداقت ہے"۔

(اقتباس از سیرت النبی بعد از وصال النبی از محمد عبدالمجید صدیقی)

یہ تصنیف حال ہی میں منظرِ عام پر آئی ہے اور دینی کتب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اس میں رویائے صالحہ یعنی سچے خواب بڑی کاوش و محنت سے جمع کر دئیے گئے ہیں۔ دراصل مصنف نے ۱۴۰۰ ایسے خواب ۱۴ سال میں اکٹھے کئے ہیں۔ یہ کتاب ان کی ایک قسط ہی کہی جا سکتی ہے تاہم اس میں متلاشی اصحاب کے لئے اس قدر مفید مواد موجود ہے کہ دل کو سیری اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اچھے خواب نبوت ختم ہونے کے بعد بھی آئندہ ہونے والے واقعات کا پتہ دینے کا ایک ذریعہ ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق برحق ہیں۔ اور بخاری و مسلم میں درج ہے کہ رویائے صالحہ اجزائے نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم نے فرمایا ہے جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا ہے اس نے حقیقت میں مجھی کو دیکھا اس لئے شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم نے فرمایا ہے میرے ساتھ

شدّت سے محبّت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے کہ اُن میں سے ہر شخص یہ تمنا کرے گا کہ تمام اہل وعیال کے عوض (ایک بار) مجھ کو دیکھ لے یعنی اگر ان سے کہا جائے گا کہ سب اہل وعیال وجان و مال قربان اور فدا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ ، حصولِ دولتِ زیارت سے مشرف ہو گے کہ وہ اس پر دل وجان سے راضی ہو جائیں گے ؂

## محمدؐ ملے گھر کا گھر بیچتا ہوں !

منزل ملی مُراد ملی مدّعا ملا

مل جائیں گر حضور تو سمجھو خدا ملا

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھا ہے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا (ابن ماجہ) مرقاۃ میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے بصدق عقیدت و خلوص ارادت کمال و تمنا آپ کو دیکھا۔ چاہے حالتِ بیداری میں چاہے حالت خواب میں جنتی ہوگا۔ نیز فرمایا جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اللہ تعالیٰ میرا دیدار ضرور بیداری میں کرائے گا طیبی نے لکھا ہے کہ بیداری سے مراد یہ ہے بحالت تقرّب بیداری مجھ کو آخرت میں دیکھے گا اس کے علاوہ علماء نے کہا ہے کہ خواب میں دیکھنے والے کے لئے اس میں بشارت ہے حسنِ خاتمہ کی یعنی خاتمہ بالخیر

ہو گا۔

وہ آتے ہیں سر بالینِ میّت

جنازہ اب اُٹھایا جا رہا ہے

مومن کو موت کے معًا بعد حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی زیارت نصیب ہو گی۔ اور حضور قبر میں بھی تشریف لائیں گے۔ قبر کے تین سوالوں میں ایک سوال یہ ہو گا۔ "اس ہستی کے متعلق تم کیا کہتے ہو" اور وہ نورانی شکل سامنے ہو گی۔

ایک مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ ہے اس دن کی تیاری ابھی سے کر لینی چاہیے۔ کیونکہ یہی سرمایہ ایمان ہے۔

اس تصنیف میں صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے "جو لوگ جنت میں جائیں گے انھیں جنت کی تمام نعمتیں عطا نہیں ہوں گی بلکہ ہر شخص کو مخصوص نعمتیں ملیں گی اس کے برعکس مشاہدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ انسان کو یہ حاصل ہو جاتے تو اس کی ذات کو جنّت کی تمام نعمتوں سے سیراب کیا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہے جو چیز جنّت میں بھی داخل ہونے سے بہتر ہے اور افضل ہے وہ بیداری میں حضور کا دیدارِ مبارک ہے۔ چنانچہ آج بھی اللہ تعالیٰ کے ولی آپ کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح صحابہ کرام (حالت بیداری میں) آپ کو دیکھا کرتے تھے۔

**حضور علیہ السّلام کے زندہ ہونے کا مفہوم** : دوسرے عام لوگوں کی طرح آپ قبر منوّر میں دوسری موت کا مزہ نہ چکھیں گے دوسرے لوگوں کو

انبیا علیہم السلام کے علاوہ قبر میں سوال و جواب کے لئے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر دوبارہ موت واقع ہو جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ دوسری موت نہیں آتی۔ ایک بار ہی لذتِ وفات یہ قول کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ چکھنے کے بعد اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپ حیاتِ دائمہ سے زندہ ہیں۔ حضرت صدیق اکبر کا یہ بات بیان کرنے کا مقصد حیات النبی کی جانب اشارہ ہے۔ عبدالحق محدث دہلوی حضور فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام بعد وصال وہی ہے جو آپ کی حیات طیبہ میں تھا۔ آپ بعد از وصال بھی اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس طرح آپ اپنی مقدس زندگی میں تھے۔ مسجدِ نبوی میں بحکم قرآن مجید آہستہ بات کرنی چاہیئے۔ اور دوسرے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھنا چاہیئے ؎

لے سانس بھی آہستہ کہ دربار نبی ہے!

جب یزید پلید نے مظالم کربلا کے بعد اہل مدینہ پر دھاوا بول دیا اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی نماز باجماعت بھی منقطع ہو گئی تو مسجد میں حضرت سعید بن مسیب کے علاوہ کوئی نہ تھا جو کہ ایک کونے میں پڑے رہتے تھے۔ آپ کا یہ فرمان ہے کہ ان دنوں میں جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر سے اذان کی آواز سنائی دیتی تھی اور بعد، اقامت بھی ہوتی تھی اور میں اکیلا اس اقامت سے مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتا تھا اور میں نے اسی طرح پندرہ نمازیں روضہ شریف میں سے آنے والی آوازوں کی رہنمائی میں ادا کیں۔

قرآنِ حکیم نے شہید کو زندہ کہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدرجہ اولیٰ زندہ ہوں گے۔ جوانِ شہیدوں کے نبی اور آقا ہیں۔ آپ کا مقام سب شہدا سے باعتبار حیات سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوگا اس لئے دین کی بنیاد رکھنے والے حضور ہی ہیں۔ حضرت شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت شہادت وصال فرمایا اور آپ کا وصال اس زہر سے ہوا جو کہ یہود نے آپ کو خیبر میں دیا تھا۔ (رواۃ البخاری)

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ تصنیف "سیرت النبی بعد وصال النبی سے ہے" اس ضخیم کتاب میں بہت کچھ ہے اس کی چند نمایاں سرخیاں درج ذیل ہیں۔

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جو چیز کسی کو عطا فرمائی بیداری پر صاحب خواب کو واقعتاً مل گئی۔

(۲) امتی کو گناہ کبیرہ سے بچالیا۔ (۳) نماز پڑھائی (۴) غایت درجہ شفقت کا اظہار (۵) درود شریف یا وظیفہ عنایت فرمایا (۶) آپ کی برکت سے ایک عورت کا قبر پر عذاب موقوف ہوگیا۔ (۷) معجزہ کا ظہور ہوا۔ (۸) رشد و ہدایت پھیلائی۔

(۹) بیماروں کو نسخہ مرحمت فرمایا (۱۰) تبرکاً لعابِ دہن عنایت فرمایا۔ (۱۱) موئے مبارک عطا کئے۔ (۱۲) حدیث شریف کی تصحیح کی۔ (۱۳) تبرائی پر قہر کا نزول وغیرہ یہ سب موضوع ۳۱۳ خوابوں کی تفصیل پر محیط ہیں۔

# شرک و بدعت

اگرچہ یہ درست ہے کہ امتِ مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں خفیہ یہودی سکیمیں خاص کام کر رہی ہیں لیکن اِن کے علاوہ اِس سلسلے میں مسلمانوں کے اندر غلط فہمیاں پھیلی ہوتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی اور کو ان کے برابر سمجھنا شرک ہے۔ الحمدللہ! کوئی مسلمان اس کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اندریں حالات ندائیہ کلمہ کے ساتھ یارسول اللہ کہنے کو شرک قرار دینا یا عقیدت سے کسی بزرگ کا ہاتھ چوم لینے کو شرک بنا لینا صریحاً زیادتی ہے۔ تمام مسلمان نماز میں عربی کے الفاظ ادا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر تمام مکتبہ ہائے فکر کے لوگ السلام علیک یارسول اللہ کہتے ہیں۔ اگر بزرگوں کے پاس روحانیت کے لئے جانا شرک ہے تو پھر علماء کے پاس علمِ شریعت سیکھنے کے لئے جانا بھی شرک ہوگا۔ کالج و سکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا بھی شرک ہوگا۔ ڈاکٹر و طبیب کے پاس شفا کے لئے جانا شرک ہوگا تو یاد رکھیے شرک ظلمِ عظیم ہے اس کی معافی نہیں۔ اس لیے کسی مسلمان کو بلے سوچے سمجھے مشرک بنا دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔

بدعت وہ چیز ہے جو دین میں بالکل نئی ہو۔ جس کا پہلے سے کوئی وجود نہ ہو۔ لیکن بدعت سیئہ اور بدعت حسنہ میں فرق کرنا چاہیے۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں نہ تسبیح فاطمہ و دیگر وظائف انگلیوں کی پوروں پر گنا کرتے تھے۔ اب اگر

کوئی اس مقصد کے لئے تسبیح استعمال کرے گا تو اسے بدعت نہیں کہیں گے۔ اس دور میں قرآنِ حکیم کا ترجمہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر چونکہ قرآنِ حکیم پر غور و تدبّر ہوتا تھا۔ اور ترجمہ بھی قرآن حکیم کو سمجھانے کی ایک صورت ہے اس لئے بدعت نہیں۔ آپ کے عہد میں موجودہ درس کی طرح حلقہ بنا کر نہیں بیٹھتے تھے لیکن چونکہ مقصد قرآن پاک کی اشاعت اور اس پر غور و فکر ہے اس لئے یہ طریقہ بدعت نہیں کہلائے گا۔ بالکل اسی طرح حلقہ بنا کر ذکر کرنے کا طریقہ ہے۔ نیز آلہ جہیرۃ الصوت پر درس دینا وغیرہ۔ کیوں کہ قران پاک میں ذکر کرنے کا حکم بار بار آیا ہے۔ اس کے لیے نئے طریقے وضع کرنے جائز ہیں۔ چنانچہ کلیہ کے طور پر یہ بات ثابت ہوئی کہ جن نئی باتوں سے دین کے احکام ترقّی پائیں اور جو کام اس میں ممد و معاون ہوں ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔

ایک اور غلط فہمی جس نے اتحادِ ملّت کو ازحد نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ہے کہ جو چیز سنّت نہیں وہ ممنوع ہے۔ یقیناً فرائض کے بعد سنّت کا درجہ ہے لیکن سنّت اور ممنوعہ چیزوں کے درمیان کھلا میدان ہے۔ جس میں مستحب، مباح اور مکروہ آجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر نماز میں فرائض ہیں پھر سنتیں ہیں۔ لیکن سنتوں کے علاوہ جتنے نوافل کوئی چاہے پڑھے کوئی ممانعت نہیں بلکہ ان کا پڑھنا مستحب ہے اسی طرح کچھ دعائیں قرآن مجید کی ہیں، کچھ مسنون ہیں۔ ایسا تو نہیں کہ مسنون دعاؤں کے علاوہ اور کوئی دعا مانگنا ممنوع ہے۔ اِن چند باتوں کو چھوڑ کر جنھیں مانگنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے باقی جو دعا مانگو، کوئی ممانعت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک و بدعت کی خود ساختہ دو دھاری تلوار کے بے دریغ استعمال سے وحدتِ ملّت پارہ پارہ ہو گئی ہے۔ اسی سے اِس غلط فہمی نے جنم لیا ہے کہ پہلے مسلمانوں کو مسلمان کرنے کی ضرورت ہے اور بڑے روز و شور سے تبلیغی جماعتوں کا وجود منظر عام پر آیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تبلیغ و جہاد کا رخ غیر مسلموں سے ہٹ کر مسلمانوں کی طرف ہو گیا ہے اس سے قدرتی طور پر ایک تو دین پھیلنے سے رک گیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر افتراق و عداوت پیدا ہوتی ہے

تیغ او بجز بر سرو سینہ یاراں نہ نشست

ایک اور چیز جس نے اختلافِ ملّت کی خلیج کو زیادہ وسیع کیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے بارے میں سوءِ ظن ہے۔ قرآن پاک میں اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ نیز ارشاد ہے کہ بسا اوقات سوءِ ظن گناہ کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ (مفہوم آیت) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ مومن حسنِ ظن سے کام لیتا ہے اس لئے جس کسی کی زبان سے آپ نے خود حضورؐ کی شان میں گستاخی نہ سنی ہو اسلامی اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے۔ بشرطیکہ اس مکتبۂ فکر نے نماز کی ہیئت نہ بدل ڈالی ہو (مولف) سورۃ الحجرات میں ایک دوسرے کو بُرے القاب دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے قارئین اکرام! آپ کسی کو مشرک، بدعتی، منافق اور گستاخِ رسول کہنے سے اجتناب کریں۔ یاد رکھیں ہر حال میں جلوت و خلوت میں وحدتِ ملّت تکریمِ مومن سے ہی ہے۔ اہانت مومن سے نہیں۔ (نور بصیرت نوائے وقت ۸/۸ ۲/۲)

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو

اخوّت کا بیاں ہو جا محبّت کی زباں ہو جا

بتانِ رنگ و بُو کو توڑ کر ملّت میں گُم ہو جا

نہ ایرانی رہے باقی، نہ تُورانی نہ افغانی

اقبالؔ

# فرقہ بندی

قومِ مسلم کے لئے ہے سربلندی لازمی
ہوشمندی احتراز از فرقہ بندی لازمی

سرورِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تمام بنی نوعِ انسان کی نجات کی ضامن ہے اور آپؐ کی تعلیمات پر عمل کرنے سے تمام طبقوں کے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ اِن تعلیمات میں جو مختلف تاویلات کرلی گئی ہیں اِن کا حل علمائےِ اُمت کی تشریحات اور اولیائے اُمت کے اعمال کی متابعت میں پوشیدہ ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں بار بار تاکید ہے کہ اسوۂ رسول کی پیروی کرو نجات پاؤ گے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام مجسّم قرآن ہیں۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى چنانچہ ہمیں اپنے ہر قول اور ہر فعل کو حضورؐ کے احکام اور منشا کے مطابق ڈھال لینا چاہیے۔

نیک نیّت اور درد مند دل رکھنے والے مسلمانوں کے عمل کرنے کے لئے ایک لائحہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع ہے۔ اس کی خاص خاص باتیں درج ذیل ہیں۔

"مسلمانو! تمھارے خون تمھارے مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے کہ تم آج کے دن اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت اکرام کرتے ہو اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں"

"مسلمانو! میں تمھیں تمھارے غلاموں کے متعلق توجہ دلاتا ہوں۔ جو کچھ خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

"مسلمانو! تمھیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کے بابت سوال کرے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو"

"مسلمانو! جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں اور اس دور کے خونی جھگڑوں کو ملیامیٹ کرتا ہوں۔ میں اپنے خاندان کا خون اور سود سب چھوڑتا ہوں"

"مسلمانو! مذہب میں مبالغہ اور غلو سے بچو کیوں کہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں"

"مسلمانو! اپنی بیبیوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو کیوں کہ خدا کے نام کی

ذمہ داری پر (کلمہ پڑھ کر) تم نے انھیں بیویاں بنایا ہے۔ اسی کے کلام نے ان کے جسم کو تم پر حلال کیا ہے"

"مسلمانو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے نہ کوئی جدید امت پیدا ہوگی۔ اب سنو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ دلی خوشی کے ساتھ ادا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجالاؤ اور اپنے اولیاء کے امور و احکام کی اطاعت کرو اور اس کے بدلہ میں تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہو گے"

پھر حضور علیہ السلام نے حاضرین سے اس بات کی گواہی طلب کی میں نے اللہ کے سب احکام تم کو پہنچا دیتے ہیں۔ خدا کے حضور اس کے گواہ رہنا اور فرمایا جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں ان تک میری یہ تعلیمات پہنچا دیں۔ ممکن ہے سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری خطبہ سے فارغ ہوتے تو تکمیل دین کی خوشخبری میں یہ آیت نازل ہوئی، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔۔۔

فرقہ بندی کے ختم کرنے کا بہترین وسیلہ یہ آیت ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد دین میں کوئی اضافہ قابلِ قبول نہیں۔ یہ ایک بہترین معیار ہے اس سے امت کے تمام اختلاف مٹ سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہم آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کو فراموش کر بیٹھے اور امتِ محمدیہ میں تفرقہ کا بیج بو دیا گیا۔

ع فرقہ بندی کی ہوا تیرے گلستاں میں چلی
آہ ان مالیوں نے باغ اُجاڑا تیرا

جس کسی کو بھی دینِ محمدؐ کا پاس ہے اور وہ صحیح راستہ پر گامزن ہونا چاہتا ہے۔ فرقہ بندی سے احتراز کرنا چاہتا ہے وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے اعمال کو نئے سرے سے مرتب کرے اور بجائے دوسروں پر اعتراض کرنے اور اُن پر کیچڑ اچھالنے کے، اپنے طرزِ عمل کو درست کرے اسی میں بہتری ہے جیسا کہ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی ہے مسلمان مسلمان کی عزت و آبرو اور اس کے خونِ ناحق سے کھیلنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لائے اگر سختی سے اس ہدایت پر عمل کیا جائے گا تو امید ہے۔ ع

مشکلیں اُمّتِ مرحوم کی آساں ہو جائیں!

## اختلاف کے باوجود ایک منزل

ڈاکٹر سمیع اللہ مجاہد قریشی جو مصر میں پاکستان کے سفیر تھے۔ ان سے ایک مصری صحافی نے انٹرویو لیا۔ اس کا کچھ حصّہ قابل توجہ ہے۔ ملاحظہ فرماویں۔

"اسلام کے ابتدائی دور میں متعدد پارٹیاں معرض وجود میں آگئی تھیں اور اسلام خود مختلف آزادانہ افکار کے اظہار کی دعوت دیتا ہے اور اجتہاد اسلامی سوسائٹی کا ایک بنیادی عنصر ہے لیکن سب کے پیش نظر اسلام کے بنیادی اصولوں کی حدود کے اندر

معاشرے اور سوسائٹی کی فلاح و ترقی کی منزل ہونی چاہیے"۔ یعنی اصل منزل فلاح میں سب متفق ہوں۔ اختلاف راستے میں اصل مذہب کے علاوہ نئے نئے مذہب نہ ایجاد کئے جائیں۔ اجتہادی اختلافات کو "رحمت" کی حدود کے اندر رکھنا ضروری ہے۔ بموجب حدیث اِختِلاَفِ اُمَّتِی رَحْمَۃٌ ۔

ڈاکٹر قریشی نے مزید فرمایا: "بہرحال مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ملک میں بدنظمی، بددیانتی اور بغاوت کی تبلیغ کرنے والی پارٹیوں کو یکسر رد کر دیں۔ کیونکہ قرآن پاک کی واضح ہدایت موجود ہے کہ فتنہ و فساد قتل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔

## اسوۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

مسلمانوں کے تمام مختلف مکاتبِ فکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں آپ فرقہ بندی کے سخت خلاف تھے آپ کا قول ہے کہ

"خبردار فرقہ بندی سے بچے رہنا۔ سواد اعظم کو لازم پکڑو۔ کیوں کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوا شیطان کے قابو میں آجاتا ہے۔ جیسے ریوڑ سے الگ ہو کر بھیڑیے کی غذا بن جاتی ہے خبردار! جو شخص فرقہ بندی کا داعی ہو اُسے قتل کر دو۔ اگرچہ وہ میری ہی دستار کے نیچے ہو"۔ (فیض الاسلام راولپنڈی ۸۰-۱۲) استفادہ نہج البلاغہ

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں: "اسلام میں (بطور دین) فرقہ کوئی نہیں۔ لیکن کثرت استعمال کے باعث عموماً اہل سنت اور اہل تشیع کو فرقے کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل

دو شاخیں یا دو موقف ہیں۔ یعنی اسلام کی اصولی حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے معاملے میں ایک ہی ہیں۔ اِن میں فقہی اختلاف بھی ہیں۔ لیکن بڑی نزاع معاملہ خلافت میں ہے یہ مسئلہ طرزِ حکومت کی دو تعبیروں کا ہے جن کا تعلق دین اور سیاست دونوں سے ہے" بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے فرمان کہ "ایسا نہ ہو ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگو" کو مدِ نظر رکھ کر بجائے اختلافات کو ہوا دینے کے وحدت کی طرف مائل ہونا چاہیئے۔ نیز اسوۂ علی پر بھی عمل پیرا ہونے کی ضرورت جیسا کہ اوپر آپ کا قول درج ہوا ہے۔ اس سلسلے میں اصولی طور پر یہ امر نظر میں رہے کہ کبھی اکابرِ امت کو سب و شتم نہ کیا جائے اسلام میں تو بتوں کو بھی بُرا کہنے سے منع کیا گیا ہے مبادا کفّار تمھارے بزرگوں کو بدلہ میں بُرا کہنے لگیں۔ اور وہ لوگ جنھوں نے نہایت نامساعد حالات میں اسلام کی خدمت کی اور اسلام پھیلایا ان کے احسان کا بدلہ تو اُمتِ مسلمہ قیامت تک نہیں چکا سکتی۔ ایک موٹی سی بات ہے جس ہستی کے ساتھیوں اور جاں نثاروں یا اُن کے اہلِ خانہ اور ازواج مطہرات پر حرفِ طعن دراز کیا جائے گا۔ خود اِس ہستی کا کردار بے داغ نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا یارانِ نبیؐ کے بارے میں حزم و احتیاط اور ادب و توقیر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ خلیفہ چہارم نے خود اس بات کی سخت تاکید کی ہے۔ کیوں کہ سب یارانِ نبیؐ آپس میں شیر و شکر ہو کر اسلام کی خدمت کرتے تھے۔ اور اس کا سب سے بڑا تاریخی ثبوت یہ ہے

کہ وہ اپنی محبّت سے اولادوں کے نام ایک دوسرے کے ناموں پر رکھتے ہیں خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ میدانِ کربلا کے شرکاء کے ناموں پر ذرا غور کریں تو اس بات کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ اولادِ علی میں کتنے ابوبکر، کتنے عثمان اور کتنے عمر ہو گزرے ہیں۔ جو کہ محبّت کی نشانی ہے نفرت کی نہیں۔

# اتحادِ ملّت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے محبوب ہیں اتنے محبوب کہ جو شخص آپ کی متابعت کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس لئے جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہو وہ حضور کی متابعت کرے حضور کا ادب کرے حضور کا احترام کرے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی امّت سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس لئے جس نے حضور کو خوش کرنا ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کرے حضور کی اُمّت کی خدمت کرے۔ اور سب جانتے ہیں کہ امت میں افتراق و عداوت ڈالنا اُمّت کی خدمت نہیں بلکہ اُمّت سے دشمنی ہے۔

دیکھا جائے تو اتحاد کی جتنی باتیں اُمّت مسلمہ میں ہیں وہ کہیں اور بہت کم نظر آئیں گی۔ سب ایک اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ سب حضور کی رسالت اور

ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ سب قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز اس بات پر کہ قرآن پاک کا ایک ایک حرف اور لفظ محفوظ ہے۔ اور تا قیامت محفوظ رہے گا۔ سب کا قبلہ ایک ہے۔ سب ایک ہی سمت میں رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں اور حیرت کی بات تو یہ ہے۔ کہ چودہ سو برس گزر جانے کے بعد سب ایک طرح نماز ادا کرتے ہیں۔ ایک ہی طرح سے قیام، ایک ہی طرح رکوع و سجود، سب قیام میں سورۃ الفاتحہ رکوع میں سبحان ربی العظیم، سجود میں سبحان ربی الاعلیٰ اور دو زانو بیٹھ کر التحیات اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ سب پانچ نمازیں پڑھتے ہیں جو تین پڑھتے ہیں وہ بھی دو دو جمع کر لیتے ہیں اگر اختلاف ہے تو بالکل معمولی سا۔ کسی نے ہاتھ باندھ لئے کسی نے کھلے چھوڑ دیتے کسی نے آمین دل میں کہی، کسی نے ذرا اونچی آواز سے کہہ لی لیکن اتنی ساری باتیں جو مشترک ہیں انھیں تو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مگر جو تھوڑی بہت فروعی نوعیت کی اختلاف کی باتیں ہیں اُنھیں ہوا دی جاتی ہے۔ اور اختلاف پھیلانے میں علما پیش پیش ہیں۔

اُمتِ مسلمہ میں اتحاد کی باتیں بہت زیادہ ہیں اور اختلاف بہت تھوڑے اور معمولی ہیں۔ جیسے کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ غور کی بات ہے کہ چودہ سو برس کے بعد مسلمانوں میں اس قدر اتحاد باقی رہنا معجزہ سے کم نہیں اگر تین باتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو اختلاف اور بھی کم ہو سکتے ہیں۔ پہلی بات شرک سے بچنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ وہ جس کا جو گناہ چاہے معاف

فرما دے گا۔ مگر شرک معاف نہیں ہوگا۔ شرک یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو اس کے برابر سمجھا جائے۔

دوسری بات جنابِ رسول پاک کا ادب و احترام ہے۔ سورۃ الحجرات، میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اونچی آواز سے نہ بولو مبادا تمھارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے اگر شرک ناقابل معافی گناہ ہے۔ تو حضور علیہ السلام کی شان میں بے ادبی اور گستاخی سے بھی سارے اعمال ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

تیسری بات ختم نبوت پر ایمان ہے۔ زبان سے تو سب اس کا اقرار کرتے ہیں مگر عملاً ہر فرقہ کے لوگ اپنے اپنے اکابر کو معصوم عن الخطا سمجھتے ہیں۔ اور ان کی غلط باتوں کو نہ صرف صحیح قرار دیتے ہیں بلکہ ڈٹ بھی جاتے ہیں۔ جھگڑوں کی بڑی اور بنیادی وجہ یہی ہے اگر ہر شخص کی، خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو، غلط بات کو غلط سمجھے اور کہے اور اس کی بے جا حمایت ترک کر دے تو وہ جھگڑے پیدا ہی نہ ہوں گے جو اتحادِ ملت میں رخنے ڈالتے ہیں۔ مثلاً ہر مکتبِ فکر کے لوگ ایک ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دیں تو اختلافات خود بخود کم ہو جائیں گے۔ اگر کوئی شخص برملا حضور کی گستاخی نہیں کرتا اور ایسے فعل کو گناہِ عظیم سمجھتا ہے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں" [نور بصیرت میاں عبدالرشید]

# خاتمۂ کلام

تعلیم وتعلّم اور تبلیغ کے لئے حُسنِ خلق اور گفتگو میں نرمی بہت ضروری ہے۔
مُبَلّغ کے لئے ہدایت ہے کہ دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ
ایک ہی وقت میں سامع کی گردن پر نہ ڈالا جائے بلکہ رفتہ رفتہ احکام پیش کیے
جائیں۔ پہلے توحید پھر رسالت اور پھر عبادت و معاملات۔ مقصود و مراد یہ ہے۔ کہ جس
کو تبلیغ کی جاتی ہے اس کو ہراساں اور پریشان نہ کیا جائے بلکہ ایسی تراکیب استعمال
کی جائیں کہ میلان اور مانوسیت پیدا ہو اور وہ دل سے دعوت حق پر غور کرے۔
اور اس کو قبول کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں جیسے دشمنوں کے ساتھ
لین دین جاری رکھا ان کی مہمانداری کی۔ اور ان کی بیماری میں عیادت فرمائی ہے
تاکہ مسلمان غیر مسلمانوں سے بالکل کٹ کر نہ رہیں بلکہ قریب ہو کر تلقین و ہدایت
کا سامان فراہم کر سکیں۔ تاہم مُبلّغ کو خود اپنی راہ ہدایت پر سختی سے کاربند ہونا چاہیے
اور منکروں کی معاشرت، رسوم اور تہذیب کو اختیار کرنے سے بچنا چاہیے۔

اسی طرح عقیدے کے اختلاف رکھنے والے مسلمانوں کو بھی اخلاقِ محمدی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے عقیدہ درست کرنے کی دعوت دینی چاہیے تاکہ یہ تبلیغ دوسرے کے دل میں گھر کر جائے اصول یہ ہے کہ بُرے لوگوں کی بُرائی سے نفرت کی جائے لیکن اُن کی ذات سے نفرت کو اس حد تک نہ بڑھایا جائے کہ وہ حق بات کو سننے سے انکار کر دیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شرابی نشہ کی ترنگ میں ایک شعر پڑھتا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ میں ایک لائق آدمی تھا اور زمانے نے میری قدر نہ کی اور مجھے ضائع کر دیا۔ ایک بار وہ آدمی کسی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت امام کو اس کی آواز نہ آئی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ جیل میں ہے۔ آپ فوراً گئے اور اسے جیل سے رہائی دلائی۔ اور کہا

"لو بھئی تم کہتے تھے کہ لوگوں نے تمھیں ضائع کر دیا ہے اور تمھاری ناقدری کی، مگر ہم نے تمھاری قدر کی ہے۔ اور تمھیں ضائع نہیں ہونے دیا"

اسی سے وہ شخص شراب سے تائب ہو گیا اور حضرت امام اعظم کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔ ہم نے بھی اس تصنیف میں آپ کی اس بارے میں پیروی کا خیال رکھا ہے۔ اور نہایت ملائمت اور اخلاص کے ساتھ اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ اور اس عنوان کے تحت چند آخری باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

**حضور کا علمِ غیب** : آپ تسلی رکھیں مسلمانوں میں کوئی فرقہ

یا مکتبۂ فکر حضورؐ کے بارے میں اس طرح کے علم غیب رکھنے پر یقین نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہے اور خدا تعالیٰ کو سب علام الغیوب اور غیب الغیب مانتے ہیں اور اس کا علم ذاتی، دائمی اور ہر شے پر حاوی ہے۔ اس نے نبی اور رسل بھیجے تو ان کو حسب ضرورت ان کو علم عطا کرنا ضروری سمجھا۔ لہٰذا یہ علم محدود، عطائی اور جزوی ہے۔ اگر ہم کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان و مایکون کا علم ہے تو اس کی بھی حدیں ہیں اور کہیں کہ لوح و قلم کا علم ہے۔ یہ بھی محدود ہوا۔ معترض کو اعتراض صرف اس بات پر ہے کہ اسے علم غیب کیوں کہا جاتا ہے؟ حالانکہ علم غیب ایک نسبتی ترکیب ہے۔ ایک چیز کسی کے لئے غیب ہے تو کسی اور کے لئے مشاہدہ۔ مطلب یہ ہوا کہ جو علوم خالقِ کائنات نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت فرماتے ہیں وہ عوام کے لئے غیب ہیں ان معنوں میں کہا جاتا ہے کہ آپ علم غیب سے مطلع ہیں۔

قرآنِ حکیم میں بے شک موجود ہے۔ کہ کوئی نہیں جانتا (سوائے خدا کے)، کہ کوئی کس خطۂ ارض پر مرے گا۔ ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ جنگِ بدر میں حضور علیہ السلام نے ایک دن پہلے اپنی چھڑی سے زمین پر ان کفار کے لئے نشانات لگا دیتے تھے جو کہ دوسرے دن غزوۂ بدر میں قتل ہوتے اور بعد میں ان نشان زدہ مقامات پر ان کی لاشیں پائی گئیں اور یہ متفق علیہ واقعہ ہے۔ آپ اس کی توجیہہ کیا کریں گے؟ قرآن حکیم بے شک سچ بیان فرماتا ہے۔ لیکن اس میں یہ بھی درج ہے۔ کہ

وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ - علامُ الغیوب بعض غیوب سے جسے چاہتا ہے مطلع کردیتا ہے۔

سو عزیزو! اس بحث کی تکرار لاحاصل ہے۔ جب محب جل جلالہٗ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر انعامات واکرامات کی بارش کرتا ہے۔ تو ہم اور آپ اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں۔

# ندائے یارسول اللہ

ندائیہ کلمہ سے آنحضرتؐ کو پکارنے پر بعض اصحاب بہت اعتراض کرتے ہیں۔ یہ بھی لاعلمی کا نتیجہ ہے کہ اس کلمہ پر شدید ردِ عمل کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بلکہ مساجد یا مقابر پر جہاں یا محمدؐ اور یارسول اللہ تحریر ہوتا اسے بہ جبر کھرچ ڈالا جاتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جالیوں پر ایک طرف یا اللہ اور دوسری طرف یا محمدؐ لکھا ہوا ہے اس میں سے یا محمدؐ کے دونوں نقطے کسی دھاتی اوزار کی مدد سے کاٹ ڈالے گئے ہیں مسجد نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کیل ٹھوکنے سے منع کرتی تھیں۔ کیا یہ نقطے کاٹتے وقت حضور علیہ السلام کی بے ادبی نہیں ہوئی ہو گی۔ اصل یہ ہے کہ حضور کی موت و حیات اپنی امت کے مشاہدے اور ان کے احوالِ نیات وعزائم و خواطر کے معلوم کرنے میں یکساں ہے یہ سب کچھ آپ کے نزدیک ظاہر ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں (علامہ ابن حاج مالکی)

ارشاد باری تعالےٰ ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا پس کیونکر ہوگا۔ جس وقت ہم لائیں گے ہر اُمت سے گواہی دینے والا اور لائیں گے ہم تجھ کو ان پر گواہ۔

آپ پر امت کے اعمال صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور آپ امت کے افراد کو ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہ نص قرآن آپ اپنی امت پر شہادت دیں گے۔ خدا نے اپنے نبی کو امت کے احوال دیکھنے کی طاقت مرحمت فرمائی ہے تو ان پر صلوٰۃ و سلام بصیغہ مخاطب پیش کرنے میں کونسی چیز مانع ہے؟ یارسول اللہ کہنے کے خلاف کوئی قرآنی حکم یا حدیث نبوی کا اشارہ تک موجود نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے بعد ہی سے یَارَسُوْلَ اللّٰہ کے طلائیہ کلمہ سے آپ کو مخاطب کرنا امتِ محمدیہ کا معمول رہا ہے۔ جب یہ طے شدہ بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ، آپ کے امتی شہید بھی زندہ۔ تو زندہ کو یا سے نہیں بلایا جائے گا تو کس طرح بلایا جائے گا؟ دل تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمام اکابر صحابہ اور ائمہ دین بھی آپ کو یارسول اللہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضور علیہ السلام کے حکم پر محفلِ نعت منعقد کیا کرتے تھے۔ اور آپ کے وصال کے بعد بھی آپ نے یَارَسُوْلَ اللّٰہ کی ندا سے نعتیں کہی ہیں۔ حضرت امام الائمہ سیدنا

امام ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت تابعی کوفی حضور کو حرفِ یا سے مخاطب کرتے ہیں
امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ بھی، علامہ کمال الدین بن زملکانی بھی اور زمانہ
ماضی قریب میں شاہ ولی اللہ بھی، مولانا شاہ عبدالعزیز بھی، حاجی امداد اللہ
مہاجر مکیؒ بھی اور مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی بھی اپنے کلام میں حرفِ ندائیہ سے
حضور علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہیں اور رحمت و کرم کے طالب ہوتے ہیں
حضرات بریلوی ان سے علاوہ ہیں۔ جن کا کوئی حد و شمار نہیں۔

اب ہم ایک مسلمان کی غیرت ملی کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ آپ جس
نبی کی اُمت میں اس سے دِلی محبت کے دعویدار بھی ہیں۔ یہ خالی دعویٰ نہیں خداوند
تعالیٰ کا حکم بھی ہے۔ کہ میرے محبوب سے تم بھی حد سے سوا محبت کرو۔ یعنی اپنی جان
مال مُنال اور دنیا کی ہر شے سے زیادہ محبت۔ تو کیا نبی کو مخاطب کرنے کا حکم نہیں
ہے؟ تکلیف آتی ہے تو فوراً منہ سے اے میری ماں نکلتا ہے۔ کام میں رکاوٹ
ہوتی ہے تو پیر استاد کو بلاتے ہو۔ تو وہ صاحبِ لولاک ہستی جس کی خاطر دنیا بنائی گئی
اُسے پکارنے سے کس نے منع کیا ہے؟ وہی ہمارے اعمال پر گواہ ہے۔
وہی اپنی اُمت کا رکھوالا ہے۔ اس کو اپنی امت کی فکر ہے اور ہر لمحہ اور ہر
آن اُمت کے بخشوانے کا خیال ہے۔ پیدا ہوا تو رَبِ ھَب لِی اُمتی، معراج
کو گیا تو وہاں اُمت کی فکر۔ دنیا سے پردہ کرتے وقت عزرائیل علیہ السلام کو امت
سے نرمی کرنے کی تاکید کی۔ کس کس موقعہ پر حضورؐ نے اُمت کو یاد نہیں رکھا؟

اور اُمتی کے لئے قید کہ وہ اپنے آقا و مولا کو محبّت سے یا مصیبت میں پکار بھی نہیں سکتے ؟ نہیں نہیں ۔ ایسی بات نہیں ۔ آپ کسی کے کہنے میں نہ آئیں ۔ وظیفہ یارسول اللہ ہی آپ کے تعلّق بالرّسول کا ذریعہ ہے ۔ اُسے چھوڑنے سے رسوائی اور محرومی ملے گی ۔

## حضور نور ہیں ؟

قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

بے شک تمھارے پاس اللہ کی جانب سے نورُ آیا ۔ جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضورؐ کی مختلف جہتیں ہیں ۔ وہ بشر بھی ہیں نور بھی ہیں اِدھر خدا سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل ۔ یہ تو کسی کا دعویٰ نہیں کہ آپ صرف اور صرف نورُ ہیں ۔ پھر مخالفت کس بات کی ؟ اور دل تنگ کرنا چہ معنی ؟

## آنحضرتؐ کی اولاد بھی نور ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں ام کلثوم اور رقیہؓ ابولہب کی بہوویں تھیں اور اظہار رسالت سے پہلے ہی ان کے نکاح عتبہ اور عتیبہ سے ہو چکے تھے ۔ اعلانِ نبوت کے بعد حضور کو صدمہ پہنچانے کی نیّت سے اِس دشمنِ اسلام نے اپنے دونوں بیٹوں سے ان کو طلاق دلوادی ۔ اِن کا یہ عمل فی الحقیقت حضور کے لئے اطمینان کا باعث ہوا ۔ اور ان مقدس بچیوں کو کفّار کے ظلم سے نجات مل گئی ۔ یہ دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کو اسی لئے ذوالنورین کا خطاب ملا۔ یعنی دو نوروں والا۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچّہ بچّہ نور کا
تُو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

سبحان اللہ! جس نبیؐ کی دو جگر گوشوں کو بیاہ لانے والا اور دو نوروں والا کہلایا ہے اور اس پر تمام حلقے متفق ہیں وہ نبیؐ خود نور کیوں نہیں ہوگا؟ اس کا نور نہ ہونا نہ ایمان کی رو سے جائز ہے نہ منطق کے لحاظ سے۔ کیوں کہ قرآن حکیم بار بار اِس کا اعادہ فرما رہا ہے۔ خدا تعالیٰ منکروں کو ہدایت بخشے۔ آمین

# رویائے صالحہ

اوج پیاس کے مقدر کا ستارا ہے جسے | خواب میں سیّدِ ابرار نظر آتے ہیں

تعلق بالرّسول کا تقاضا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا

از حد شوق پیدا کیا جائے۔ طلبِ صادق ہو گی تو نا ممکن ہے کہ وہ پوری نہ ہو۔ خود حضور نے فرمایا ہے۔ "مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ اور دروازہ کھٹکھٹاؤ گے تو کھولا جائے گا۔ کیوں کہ جو مانگتا ہے اسے دیا جاتا ہے۔ جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے۔ اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے لیے (دروازہ) کھولا جاتا ہے" تو ظاہر ہے کہ ایک اُمّتی ہی اپنے نبی کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ اور حسبِ وعدہ دل کی مُرادیں پائے گا۔ ہمارے تجربہ میں آیا ہے کہ جس شخص نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے تمنا کی ہے وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو ہر دم اُٹھتے بیٹھتے دیوانہ وار آپ کو دیکھنے کی تمنا میں حیران و غلطاں رہتے ہیں، ضرور ہی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں چوالیس سال کی عمر میں فوت ہونے والے بیانِ یزدانی میرٹھی کی یہ نعت کس قدر دل پر اثر کرنے والی ہے کہ ایک عالم میں مقبول ہوئی۔ رات کے

وقت اِس کو سوز اور درد کے ساتھ پڑھنے والوں نے حضورؐ کی زیارت کی ہے۔

خواب میں زُلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

بے کسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلہ والے آجا

حق نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی
اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

کون ہے ماہ عرب کون ہے محبوبِ خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

دم تری دید کو آنکھوں سے لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

ہوں سیاہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

صورتِ لالہ ہے پُر داغ بیان کا سینہ
پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

زمانۂ نبوّت رویا مومن یا رویا صالحہ (اچھے خواب) اجزائے نبوّت کا چھیالیسواں
جزو ہوتے ہیں۔ نیز حضور کا فرمان ہے کہ جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس

نے حق دیکھا یعنی سچا خواب دیکھا اور مجھی کو دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(بعض حیثیات) میرے ساتھ شدت سے محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ کہ ان میں سے ہر شخص تمنا کرے گا کہ وہ سارے اہل وعیال کے عوض مجھ کو دیکھ لے۔ یعنی اگر ان سے کہا کہ سب اہل وعیال۔ جان ومال قربان اور فدا کرنے کے لیے تیار ہو گے تو حضور کی دولت زیارت ملے گی تو وہ اس پر راضی ہو جائیں گے۔"

محمد ملے گھر کا گھر بیچتا ہوں

ع

ہم یہاں چند رویائے صالحہ بیان کرتے ہیں جو کہ اہلِ ایمان کی یکسوئی عقیدہ اور اطمینانِ قلب کا باعث ہوں گے۔ مولا کریم عزّ وجل سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اپنا بندہ اور حضور علیہ السلام کا امتی ہونے اور صحیح معنوں میں ہونے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۱) شیخ شرف الدین بوصیری کا قصیدہ بردہ دنیا بھر میں مشہور ہے بردہ چادر کو کہتے ہیں۔ بوصیری کا نچلا دھڑ فالج سے بے کار ہو گیا تھا۔ ان کے دل میں قدرت کی جانب سے القا ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ومداح میں ایک قصیدہ نظم کریں اور اسے بہ خلوص عقیدت ایک جگہ تنہا پڑھیں ایسا ہی کیا گیا نیند کا غلبہ ہو گیا تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصیدہ سن کر پسند فرمایا اور دھاریدار یمنی چادر بوصیری کو عطا فرمائی۔ شیخ بیدار ہوتے تو ان کا جسم بالکل تندرست ہو

تھا اور وہ چادر آپ کے جسم پر تھی۔

حالانکہ یہ راز نبی کریم اور ایک امّتی کے درمیان تھا۔ بوصیری سے ایک درویش نے آکر سارا واقعہ سنا دیا۔ اور کہا کہ اس مجلس میں بھی حاضر تھا۔ مجھے قصیدہ کی نقل کرنے کی اجازت دی جائے۔ جو کہ دے دی گئی۔ لوگوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی اور انھوں نے اس قصیدے کو عزت واحترام سے سر آنکھوں پر لیا اور اس کی برکتوں سے فیض یاب ہوتے۔ صوفیائے کرام اس کا خاص طریق پر وظیفہ کرتے ہیں۔ حکومتِ ترکی نے قصیدہ بُردہ کو مسجد نبوی میں اور روضہ نبوی میں دیواروں پر سنہرے حروف سے لکھوا دیا تھا۔ بعد میں موجودہ حکومتِ حجاز نے اسے مٹوا دیا ہے۔

(قصیدہ اور اس کے خواص کے متعلق کتاب "برکاتِ بُردہ" ملاحظہ فرماویں)

۲ - سلطان محمد نورالدین نے عیسائیوں کے مقابلہ میں صلیبی حرکوں میں نمایاں جنگی کارنامے سرانجام دیئے۔ ان کے خواب میں حضور سرورِکائنات تشریف لائے اور دو آدمی دکھا کر ہدایت فرمائی کہ ان سے میری خلاصی کراؤ۔ زنگی نے تین بار یہ خواب دیکھا تو سوچا ضرور کوئی بات ہے اور اپنے وزیر کے ساتھ مدینے کی طرف روانہ ہو گئے اور سولہ یوم میں شام سے مدینے پہنچے۔ ان آدمیوں کی تلاش کے لیے اہل شہر کو مامور کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی پھر سارے باشندوں کو انعام واکرام دینے کا اعلان کیا۔ لوگ باری باری آپ کے سامنے سے گزرے اور انعام حاصل کیا۔ پھر بھی وہ آدمی نظر نہ آئے۔ جو حضورؐ نے خواب میں دکھلاتے تھے۔ بالآخر معلوم ہوا کہ دو آدمی عبادت گزار اور گوشہ نشین ہیں جو کہیں

نہیں جاتے اِن کو بلوایا گیا تو وہی تھے جو کہ خواب میں دکھلاتے گئے تھے ۔ اِن کے حجرے میں تلاشی لی گئی تو بسیار تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ زمین پر تختہ کے نیچے سُرنگ کھودی جا رہی تھی جو حضور کی قبر شریف کی طرف جاتی تھی اور وہ اِس طرح آپ کے جسم مبارک کو نکال کر عیسائی بادشاہوں کے پاس روم لے جانا چاہتے تھے ۔ تاکہ مسلمانوں کا وہ مرکز ختم ہو جاتے جو مدینہ منورہ میں تا قیامت قائم رہنا تھا ۔ اِن ملعونوں کے سر قلم کراتے گئے اور نورالدین زنگی نے روضۂ رسول کے گرداگرد سیسہ پگھلوا کر ڈلوا دیا تاکہ قیامت تک کوئی گستاخ پھر ایسی حرکت نہ کر سکے ۔

آج بھی گنبدِ خضرا انہی دیواروں پر قائم ہے ۔ سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس فرض کی ادائیگی سونپی جانے پر بہت خوشی تھی ۔ آپ متقی اور پابند صوم و صلوٰۃ بادشاہ تھے ۔ اُمتِ محمدیہ میں حضرت خلفائے راشدین و حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد سلطان نورالدین زنگی ہی کا درجہ ہے ۔

۳ ۔ ایک صحابی ابو حازم رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ میں نے امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کو ابو حازم سے کہہ دینا کہ تم میرے روضۂ پاک کے پاس سے گزر جاتے ہو اور رک کر سلام بھی نہیں کرتے ۔ ابو حازم نے سن کر اپنی کوتاہی پر بہت افسوس کیا پھر یہ آپ کا معمول ہو گیا کہ جب بھی ادھر سے گزرتے کھڑے ہو سلام عرض کرتے اور پھر آگے بڑھتے ۔

۴ ۔ طارق بن زیاد نے ۷۱۱ء میں اندلس (سپین) کے ساحل پر پڑاؤ کیا اور اپنے

جہاز جلا ڈالے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے صرف سات ہزار کے لشکر سے نصرانیوں کی ایک لاکھ نفری پر فتح پائی۔ اسے پانچ ہزار کی کمک افریقہ سے بھی ملی۔ گویا کل فوج بارہ ہزار تھی لیکن اسپین کی تاریخ بدل ڈالی۔ یہ سب کچھ حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی برکت تھی۔ آپؐ معہ مہاجرین والانصار تشریف لاتے اور طارق بن زیاد کی حوصلہ افزائی فرمائی آپ خواب میں معہ اصحاب اندلس میں داخل ہوتے طارق پیچھے پیچھے تھے۔ اِس بشارت کے بعد آپ (طارق) کی آنکھ کھل گئی اور اس نے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا جس کے بعد انھوں نے کفّار پر فتح پائی۔

۵۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بزرگ نے خواب میں آکر فرمایا یہ ٹھیک ہے خیر و برکت کا زمانہ گزر گیا ہے اگر اب تمھارے دلوں میں دینی کاموں کے متعلق شک و شبہ پیدا کرے تو تم مالک بن انس کی طرف رجوع کیا کرو۔ پھر حضرت محمد عسقلانی کے خواب میں آکر فرمایا "اے عسقلانی میں نے انس بن مالک کو ایک خزانہ دے دیا ہے جسے وہ تم سب میں تقسیم کر رہے ہیں" اور وہ خزانہ موطا امام مالک ہے۔

۶۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے عین حالتِ جنگ میں بادشاہ روماس نے اسلام کے متعلق سوالات کئے اور خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا۔ کیوں کہ اس کے لشکریوں نے اُس سے اتفاق نہ کیا۔ روماس رحمۃ اللہ علیہ کی تدبیروں سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ فتح کے بعد اس کی بیوی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے پاس آئی اور بیان کیا کہ ایک نورانی صورت نے آکر مجھے خواب میں بتایا ہے کہ تمام دعراق مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گئے میں نے دریافت کیا آپ کون ہیں انھوں نے کہا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے مجھے اسلام لانے کو فرمایا۔ میرے مسلمان ہونے کے بعد آپ نے مجھے دو سورتیں قرآن مجید سے سکھائیں۔ اس نے وہ سورتیں حضرت خالد کو سنا دیں۔ جو سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص ہیں۔ اس خاتون کو اپنے خاوند روماس کے مسلمان ہونے کا پتہ نہ تھا۔ اس نے حضرت خالد سے کہا یا روماس مسلمان ہو جائیں یا پھر مجھے طلاق دے دیں۔ تو حضرت خالد نے بتایا کہ روماس تو پہلے ہی مسلمان ہو چکے ہیں تو اس کی بیوی بہت خوش ہوئی اور روماس کے ساتھ راضی باضی رہنے لگیں۔

۔ حضرت ابو بکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے دل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق وسواس کہ حضرت امیر معاویہ باطل پر ہی ہوں پھر بھی حضرت علی چونکہ حضور کے ارشاد کے بموجب لا فتی الا علی ہیں۔ ان کو چاہیے تھا کہ مسلمانوں کا خون خرابہ کرنے کی بجائے سلطنت کا کاروبار معاویہ کے سپرد کر دیتے میرا مکان صفا اور مروہ کے درمیان ہے۔ مجھے خواب میں حضور نظر آئے کہ آپ کے چاروں یار دربار نبوی میں موجود ہیں۔ حضور نے ایک کر کے ان کے متعلق مجھ سے پوچھا۔ جب حضرت علی کے متعلق دریافت کیا تو میں نے اپنے غبار کی وجہ سے شرمندگی محسوس کی اور ان کے متعلق کچھ کہہ نہ سکا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے

مجھے سیدنا علی کا بھائی قرار دیا۔ اِس پر ہم دونوں ایک دوسرے سے گلے مل گئے بعد ازیں وہ سب تو چلے گئے حضرت علی مجھے ساتھ لے کر جبل ابُوقبیس پر چلے گئے۔ جہاں سے حرم کعبہ کا نظارہ کیا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو آپ اپنے کو جبل ابوقبیس پر پایا۔ اور میرا دل حضرت علی کی طرف سے بالکل صاف ہو چکا تھا اور اس غبار کا شائبہ بھی میرے سینے میں نہ رہا۔

۸۔ حضرت سیّد علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش کو کتنی بار حضور کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں میں نے ایک مرتبہ حضرت محمد رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے کوئی وصیّت فرمایئے آپ نے ارشاد فرمایا

درحقیقت حواس خمسہ دیکھنا، سننا، چھونا، بولنا، سونگھنا، اگر احکام الٰہی کے تابع رکھے جائیں تو سب سے بڑا مجاہدہ ہے اور اسی سے انسان صحیح معنوں میں مومن اور متقی ہوتا ہے۔

۹۔ سیّد اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ زیارت مدینہ کے دوران بیمار ہو گئے حتیٰ کہ ہمراہی مایوس ہو گئے۔ تکلیف کو اکیسویں شب تھی کہ حضور سرور کائنات خواب میں آتے اور بشارت فرمائی کہ اشرف ابھی تمھاری عمر بہت باقی ہے۔ غم نہ کرو تمھارے وسیلے سے بہت سے مسلمان دروازہ وصول تک پہنچیں گے۔ بہت سے عوام تمھارے ذریعے سے خواص کی منازل میں جگہ پائیں گے۔" بشارت کے

بعد صبح ہوتے صحت کے آثار نمودار ہوتے اور حضرت اشرف سمنانی کو صحتِ کلی حاصل ہوگئی آپ نے ۱۲۰ سال عمر پائی۔ آپ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد (بھارت) میں آسودہ خواب ہیں۔

۱۰۔ شیخ محمد ابوالمواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ جو جامعہ ازہر میں رہتے تھے دیکھا کہ ایک شخص قصیدہ بُردہ کے اِس شعر پر اعتراض کرتے ہیں

مبلغ العلم فیہ انہ بشر

وانہ خیر خلق اللہ کلھم

ترجمہ۔ پس علم کی رسائی تو اتنی ہے کہ وہ بشر ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل ہیں، معترض نے کہا اِس کلام پر کوئی دلیل نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اجماع اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ تمام مخلوقات (ملائکہ وانبیاء) سے افضل ہیں۔ بحث کرنے کے بعد بھی معترض پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اسی شب سات ہفت آسماں جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ جامعہ ازہر کے منبر کے پاس جلوہ افروز ہیں۔ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضوان اللہ اجمعین ہمراہ ہیں۔ مجھے فرمایا ہمارے حبیب کو مرحبا۔ پھر حضور نے یہ مسئلہ اپنے حضرات شیخین سے دریافت فرمایا۔ انھوں نے بیک آواز کہا کہ "یارسول اللہ روئے زمین پر کوئی بھی آپ سے افضل نہیں۔ خدا تعالےٰ کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے"۔ اِس کے بعد حضور نے فرمایا "پھر فلاں مراقی کو کیا ہوگیا ہے جو زندہ نہیں رہے گا

اگر زندہ رہے گا تو ذلت و گمنامی اور تنگ حالی میں رہے گا اور دنیا و آخرت میں ناکام رہے گا۔ وہ کہتا ہے کہ میرے افضل ہونے پر اجماع امت نہیں ہے۔ خدا اسے دوست رکھتا ہے جو مجھے دوست رکھتا ہے جو اپنی رائے پر قول اجماع پر ترجیح دیتا ہے وہ اہل سنت والجماعت ہے۔ یہی طریقہ نجات ہے۔ لیکن جو بات اجماع سے ثابت نہیں ہے اس میں اپنا قیاس کرنا اور عقل چلانا صرف اس وقت جائز ہے۔ جب یہ قیاس قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ یہ واقعہ شیخ شاذلی نے بیان فرمایا۔ انہی سے مروی ہے حضور کی زیارت نصیب ہوتی۔ آپ نے فرمایا میں مردہ نہیں ہوں۔ میرا مرنا یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کا علم نہیں ہے اس سے تو میں پوشیدہ ہوں اور جس کو اللہ کا علم ہے اس کو میں دیکھتا ہوں اور وہ مجھے دیکھتا ہے۔

۱۱ - شیخ فضل اللہ جمالی نے حضور کی شان میں جو یہ شعر کہا اسے حضور نے خواب میں آ کر پسندیدگی کی سند دی ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو ی صفات
تو عین ذات می نگری و در تبسمی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار لکھا ہے کہ کئی علمائے کرام کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت کے مقبول ہونے کی بشارت ہوتی۔ آپ نے بشارت سے فرمایا: ھذا المدحی یہ میری سچی تعریف ہے۔ دنیا کے بادشاہ اپنے مداح کرنے والے شاعروں کو سونے چاندی میں تولتے ہیں۔ لیکن

حضور کی اس قدر افزائی کے مقابلے میں ان کی داد و دہش کوئی قدر نہیں رکھتا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اِس شعر کو فارسی کی نعت کا بہترین شعر قرار دیا ہے

۱۲- امام قاضی یوسف کی محفل میں لوکی دکدو کی بات چل نکلی۔ ایک شخص نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی بہت پسند تھی جس پر ایک دوسرے شخص نے کہا مجھے تو اچھی نہیں لگتی۔ بس اِس وقت امام یوسف قاضی نے اس شخص کے مرتد ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا فرمایا چونکہ اس نے یہ بات حضرت محمد رسول اللہ کے مقابلہ میں یہ بات کہی ہے۔ اس لیے مرتد ہونے کا فتویٰ جاری کیا جائے گا۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

حالانکہ لوکی کھانا حضور کی عادت مبارک تھی۔ یہ دین یا شریعت کا کوئی حکم نہ تھا۔ نہ ہی اِس شخص نے دانستہ آپ کی گستاخی کی نیت کی تھی۔ لیکن بات یہ ہے کہ چونکہ مسئلہ زیر بحث میں آپ کی عادت شریفہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ جب دوسری طرف فوراً یہ جملہ کہا گیا۔ لہٰذا بظاہر یہ مقابلہ کی سی کیفیت ہو گئی۔ اس لیے ظاہری حالت میں یہ فتویٰ دینا ضروری ہو گیا۔ وگرنہ عام حالات میں کوئی بات قابل گرفت نہیں ہوتی۔

مقام غور ہے کہ وہ اللہ والے کس قدر حضور کی عزت و تکریم کا لحاظ رکھتے تھے

۱۳ سیّد محمود احمد رضوی مدیر اعلیٰ "رضوان" لاہور لکھتے ہیں۔ ایک شخص نے نبی کریم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا میں نے آپ کی حدیث سنی ہے کہ مومن کی جان اس طرح نکل جاتی ہے۔ جیسے خمیری آٹے سے بال۔ کیا یہ درست ہے؟

آنحضرت نے ارشاد فرمایا صحیح ہے۔ عرض کیا قرآن پاک میں جان کنی کی سخت شدّت
بیان کی گئی ہے پھر ان دونوں میں کیسی مطابقت ہو گی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ یوسف
کا مطالعہ کرو۔ تمھیں جواب مل جائے گا۔ بیدار ہونے پر اس شخص نے بار بار سورۂ یوسف
کی تلاوت کی۔ لیکن جواب سمجھ میں نہ آیا بالآخر ایک درویش سے جو عالم ہونے کے
ساتھ اللہ والے بھی تھے ذکر کیا۔ انھوں نے کہا تمھارا جواب اِس آیت میں ہے۔
ترجمہ۔ زنانِ مصر نے جب یوسف کے حسن کو دیکھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا
سبحان اللہ یہ بشر نہیں ہے یہ تو فرشتہ ہے، بالکل اسی طرح ایک مومن کی روح قفس
عنصری سے پرواز کرتی ہے تو جمال مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اِس کے سامنے ہوتا
ہے۔ مرنے والا چہرہ نبوی حسنِ خدا داد کا نظارہ کرتا ہے اور حسنِ مصطفوی دیکھنے میں
اتنا محو ہوتا ہے کہ نزع کی تکلیف کا اس کو ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نے
نزع کی حقیقی تکلیف کی وضاحت کی ہے اور حدیث شریف صرف اِس تکلیف کے
احساس کی نفی کرتی ہے۔ اصل تکلیف کی نہیں لہٰذا دونوں میں مطابقت موجود ہے۔

۱۴۔ ایک بار علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک نیک نوجوان پیرزادہ تشریف لائے
اور آپ کو دیکھتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا علامہ نے خیال کیا شاید یہ مصیبت زدہ
پریشان حال نوجوان کسی ضرورت کے تحت میرے پاس آیا ہوگا۔ شفقت آمیز لہجے
میں استفسارِ حال کیا۔ نوجوان نے کہا مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ مجھ پر اللہ کا
بڑا فضل ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ہری نگر کشمیر کا رہنے والا ہوں۔ عالم کشف میں ایک دن

میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار دیکھا۔ نماز کے لیے صف بندی کے وقت حضورؐ نے پوچھا کہ محمد اقبال آیا یا نہیں؟ معلوم ہوا نہیں آیا۔ اس پر ایک بزرگ لانے کے لئے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں ایک نوجوان آدمی جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی رنگ گورا تھا بزرگ کے ساتھ آکر صف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ پیرزادہ نے کہا میں نے پہلے آپ کی شکل نہ دیکھی تھی اور نہ ہی نام وپتہ جانتا تھا۔ ایک بزرگ کشمیر میں ہیں۔ مولانا نجم الدین جو آپ کی تحریروں کی وجہ سے جانتے تھے۔ انھوں نے یہ بتایا کہ یہ علامہ اقبال ہی ہو سکتے ہیں۔ اس طرح آپ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا آپ کی صورت دیکھتے ہی میری آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے کشف کی عالم بیداری میں تصدیق ہو گئی ہے۔ کیوں کہ جو شکل میں نے عالم کشف میں دیکھی تھی۔ آپ کی شکل وشباہت عین اس کے مطابق ہے۔ سرمو بھی فرق نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ (پیرزادہ) چلے گئے۔

۱۵۔ ۱۹۶۵ء میں کراچی کے ایک بزرگ حاجی نور محمد بٹ صاحب کو مدینہ منورہ سے ایک خط موصول ہوا تھا۔ اس میں مندرج ہے کہ "جس روز لاہور پر بھارت کی طرف سے حملہ ہوا اسی روز یہاں ایک دو حضرات نے خواب میں دیکھا حرم شریف کے اندر مجمع کثیر روضہ اقدس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت عجلت سے ظاہر ہوتے اور گھوڑے پر سوار ہو کر باب السلام کی طرف چلے گئے۔ بعض حضرات نے عرض کیا یا رسول اللہ اس قدر جلدی میں آپ گھوڑے پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جہاد

کے لئے"۔ اور پھر یک دم برق کی مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ تیز رواں ہو گئے۔ آپ کے پیچھے مواجبہ شریف سے پانچ حضرات مزید اس راستہ سے موٹر میں سوار ہو کر ہوائی جہاز کی سی تیز رفتاری سے وہاں سے پرواز کر گئے۔

پاکستانی عوام نے جنگ ستمبر کا بخوبی مشاہدہ کیا ہے۔ عوام کی تنظیم، جذبہ ایمان اور اتحاد نیز افواجِ پاکستان کی بہادری نے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تائید اس وقت تک شامل رہتی ہے جب تک کہ مسلمان آپ کے بتاتے ہوتے راستہ پر چلتے رہتے ہیں۔ اگر اب بھی ہم حب الوطنی، شوق شہادت، ایثار و قربانی، عبادت و ریاضت، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اسی جذبہ کا اظہار کریں گے۔ تو کامیابی اب بھی ہمارے قدم چومے گی۔

# حرفِ آخر

اس مختصر کتاب میں قاری کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بعد از خدا بزرگ ترین شخصیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرتبے اور عند اللہ اعلیٰ درجے پر حرف زنی کرنا بدترین اعمال میں سے ہے۔
آپ کے انسان ہونے اور ہماری طرح زندگی گزارنے کی جہتوں کو ابھارنا آپ کی امت ہونے کے دعویدار اصحاب کو زیب نہیں دیتا۔ ہمیں حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ کی علو مرتبی اور آپ کے مخلوقات میں اعلیٰ ترین درجہ کو سامنے رکھنا چاہیئے اور اسی لحاظ سے حضورؐ کا ادب کرنا چاہیئے۔

اس بات کی ایک معمولی مثال یہ ہے کہ ماں کا درجہ کسی قدر بلند اور مقدس ہوتا ہے۔ اگر کوئی ماں کو باپ کی بیوی کے لحاظ سے جاننے اور انکے تعلقات زناشوئی کو ابھارے تو سمجھ لیجئے کہ اس کی یہ حرکت اس کو مؤدب اولاد کا درجہ نہیں دے سکتی بلکہ گستاخ قرار دے گی۔ ماں کے متعلق ایسا سوچنے کا یہ حال ہے تو اس ہستی کے متعلق گھٹیا سوچ کسقدر قابل مواخذہ ہوگی جس کے متعلق خود رب العالمین نے فرمایا ہے کہ اس کی بارگاہ میں محض آواز بلند کرنے سے انسان کے اعمال اکارت جاتے ہیں اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔
اسلیئے میرے محترم قارئین خدارا حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر پہچانیئے۔ اور اپنے رویے کی اصلاح کیجئے۔